www.urducouncil.nic.in

جولائی 2025 ، قیمت :- 15 ₹

ماهنامه

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اُردو دُنیَا

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 25 روپے، سالانہ: 240 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

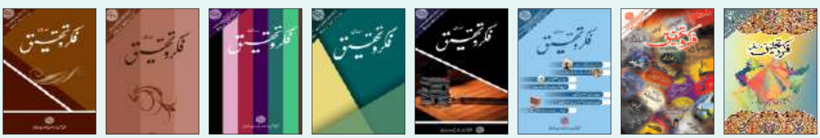

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندوستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159
E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 13 شمارہ: 07 جولائی 2025

مدیر : ڈاکٹر شمس اقبال

نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالباری

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ تعلیم ـ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:11-49539009
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت : /15 روپے، سالانہ /145 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی - 110066
فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002
فون:040-24415194

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05

مضامین

روشنی کا مینار : لائٹ ہاؤس	بانو سرتاج	07
تعلیم وتربیت میں مادری زبانوں کا کردار	ساجد منیر	11
اردو ادب اور بچوں کی دنیا	جاوید قمر لیاقتی	13

نظمیں

ہم بادل کہلاتے ہیں	جگن ناتھ آزاد	16
مینڈکوں کا گیت	ظفر کمالی	17
صحت کے اصول	محمد وزیر عالم	18
چلو بچائیں پانی کو	وسیم احمد نگرامی	19
نوری ترکیب	حسن آتش چاپدانوی	20
سورج	ہاجرہ نور زریاب	20
ہوئے ختم چھٹی کے دن	محمد اشتیاق عالم فیروزآبادی	21

کہانیاں

اول انعام	محمد رفیع انصاری	22
جنت کی مٹی	مظفر حسین غزالی	24
وہ بچہ میں ہوں	ایم اے کنول جعفری	28
دی پاور آف ڈیجیٹل	سراج فاروقی	32
بادل نے کی بارش	محمد کلیم اللہ ندوی	37
بلیکی کی بہادری	نغمہ تبسم	39
سچا دوست	عفیفہ کونین رازق شیخ	42
موبائلوں کی محفل	شبیر احمد مصباحی	46
حسرت	ثنا اسد	49

سائنس

مچھلی کے بچے	زاہدہ خاتون	51
آرائش پسند کیکڑے	اسید اشہر	56

واقفیت عامہ

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات	ادارہ	59

ننھے فنکار

پینٹنگ		60

پیارے بچو! ہندوستان ایک وسیع ملک ہے، یہاں ہر علاقے کا الگ موسم ہوتا ہے، ایک ہی وقت میں کہیں ٹھنڈ پڑتی ہے تو کہیں گرمی اور کہیں برسات ہوتی ہے۔ شمالی ہندوستان کا موسم جنوبی ہندوستان سے مختلف ہوتا ہے، اسی طرح پہاڑی علاقوں کے موسم بھی الگ ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں بنیادی طور پر چار اہم موسم پائے جاتے ہیں، موسم گرما، موسم برسات، موسم خزاں اور موسم سرما۔ موسم گرما ہندوستان میں مارچ سے شروع ہوکر جون تک رہتا ہے۔ اس موسم میں درجہ حرارت 40 سے 45 ڈگری اور کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ رہتا ہے۔ ان مہینوں میں اتر پردیش، بہار، راجستھان، مدھیہ پردیش اور دہلی وغیرہ میں شدید گرمی پڑتی ہے۔ اس موسم میں گرمی سے بچنے کے لیے لوگ مختلف تدابیر اختیار کرتے ہیں۔

برسات کا موسم جولائی سے ستمبر تک رہتا ہے، لیکن ہندوستان کے کچھ صوبوں میں یہ موسم وسط جون سے بھی شروع ہو جاتا ہے۔ موسم برسات کو مانسون کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اس موسم کا کسان بے صبری سے انتظار کرتے ہیں۔ اگر بارش زیادہ ہو تو پھر یہ سیلاب کی صورت میں تباہی مچادیتی ہے، لوگ بے گھر ہو جاتے ہیں اور انھیں بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن اگر بارش کم ہو تو فصل تو خراب ہوتی ہی ہے ساتھ ہی خشک سالی کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔

بچو! آپ نے غور کیا ہوگا کہ جب بارش ہوتی ہے تو اس سے پہلے آسمان میں بادل چھا جاتے ہیں، یہ بادل کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بنیادی طور پر بادلوں کی اقسام کو چار حصوں سیرس کلاؤڈ (Cirrus Cloud)، کیومیلس کلاؤڈ (Cumilus Cloud)، اسٹریٹس کلاؤڈ (Stratus Cloud) اور نمبس کلاؤڈ (Nimbus Cloud) میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ سائرس بادل باریک اور ہلکا ہوتا ہے، یہ اونچائی پر ہوتا ہے اور خوشگوار تبدیلی کی علامت بھی سمجھا جاتا ہے۔ کیومیلس روئی کی طرح ہلکا ہے۔ یہ درمیانی اونچائی پر ہوتا ہے۔ کبھی کبھی یہ طوفان بھی لے کر آتا ہے۔ اسٹریٹس دھند جیسا بادل ہوتا ہے، یہ زیادہ اونچائی پر نہیں ہوتا ہے اور یہ ہلکی بونداباندی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ نمبس گھنا اور سیاہ بادل ہوتا ہے اور یہ مسلسل بارش، برف باری یا پھر طوفان کی نشاندہی کرتا ہے۔

موسم خزاں اکتوبر سے نومبر تک رہتا ہے۔ یہ بڑا سہانا موسم ہوتا ہے، درجہ حرارت میں کمی ہو جاتی ہے اور درخت کے پتے گرنے اور رنگ بدلنے لگتے ہیں۔ اس موسم میں سیب اور انار وغیرہ کثرت سے ملتے ہیں۔

موسم سرما عام طور پر دسمبر سے شروع ہوکر فروری تک رہتا ہے۔ شمالی ہندوستان میں اس مہینے میں ٹھنڈ رہتی ہے۔ ہماچل پردیش، کشمیر، پنجاب اور دہلی وغیرہ کے علاقے ٹھنڈ سے متاثر ہوتے ہیں اس کے برخلاف جنوبی ہندوستان جیسے مدراس، بنگلورو وغیرہ کا موسم خوشگوار رہتا ہے۔ اس مہینے میں شمالی ہندوستان کے لوگ جنوب میں گھومنے پھرنے اور سیر و سیاحت کے لیے جاتے ہیں۔

پیارے بچو! موسم خواہ کوئی بھی ہو ہمیں اس سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔ ہر موسم کی اپنی خصوصیات ہیں، جولائی کے مہینے میں ہندوستان کے اکثر علاقوں میں بارش ہوتی ہے، اس میں اپنی صحت کا خیال رکھتے ہوئے پڑھائی پر توجہ دیں اور فرصت کے اوقات کا صحیح اور اچھے طریقے سے استعمال کریں۔

آپ کا

ڈاک خانہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' جون کا شمارہ دستیاب ہوا۔ یہ شمارہ ادارتی صفحہ سے لے کر آخر تک دلچسپ و اہم معلوماتی مضامین پر مشتمل ہے۔ عالمی یوم یوگا کی مناسبت سے آپ کا اداریہ بے حد اہم ہے، فہیم اشرف نے اپنے مضمون میں یوگا کے تاریخی پس منظر کو واضح کیا ہے۔ ماحولیات پر گوشہ بہت معلوماتی ہے جو کہ بچوں کے ساتھ ساتھ بڑوں کے لیے بھی لائق مطالعہ ہے خصوصاً ادریس صدیقی، قاضی مشتاق احمد اور رفیع الدین ناصر صاحبان کے

مضامین پسند آئے۔ کہانیوں میں انیس اعظمی کی 'ایک تھی نانی' نہایت دلچسپ ہے۔ محمد اسداللہ صاحب کے 'دودھ کا سیلاب' پڑھتے ہوئے اچھوتا اور دلچسپ عنوان کے ساتھ ربڑی کا مزہ آگیا وہیں 'مچھلی کے بچے' طویل لیکن سائنسی معلومات سے پر ہے، نظموں کا حصہ بھی اچھا لگا۔ ان میں سوچتے ہیں پیہم، لایا ہوں میں لیمن جوس اور ماحول کو بچائیں پسند آئیں۔ مجموعی طور پر ہر شمارے کی طرح یہ شمارہ بھی بے حد معلوماتی، پرلطف اور دلچسپ ہے۔ اردو زبان و ادب، ادب اطفال کے ارتقا اور بچوں و بڑوں کے تعلیمی و ادبی ذوق کو پروان چڑھانے کے لیے قومی اردو کونسل کی یہ خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ادارے کے ساتھ ساتھ تمام قلمکاروں کی خدمت میں مبارکباد!

رحیم رضا، بیاول، مہاراشٹر

مکرمی آداب! بچوں کی دنیا جون 2025 کا شمارہ نظرنواز ہوا، گذشتہ مہینوں کی طرح یہ شمارہ خاص اہمیت رکھتا ہے، اس شمارے کی سب سے بڑی خصوصیت موسم گرما کے تعلق سے کئی اہم تحریریں ہیں۔ یہ شمارہ گرمی سے متعلق کئی اہم نظموں پر مشتمل ہے، جگن ناتھ آزاد کی نظم 'گرمیاں آگئیں' مجھے بے حد پسند آئی، اس نظم میں جگن ناتھ آزاد نے موسم سرما میں ہونے والی تبدیلیوں کا خوب صورتی سے ذکر کیا ہے پھر چاہے لو کا چلنا ہو شدید دھوپ ہو یا پھر گرم ٹاٹ اور کھاٹ ہوسب کا بیان شامل ہے۔ آزاد نے بچوں کو اس موسم میں کئی اہم حفاظتی اقدامات اختیار کرنے کی تلقین بھی کی ہے جو بچوں کے مزاج اور ذہنیت کے مطابق ہے اسی طرح شمارے کا ایک حصہ

منتخب اشعار پر مشتمل ہے جس کے بیشتر اشعار ذہن میں محفوظ ہوجاتے ہیں۔ ماحولیات اورصنعتوں کے سبب زمین پر پیدا ہونے والی آلودگیوں کا بیان بھی بہت اہم ہے۔شمارے میں شامل کہانیاں بچوں کی ذہنی تربیت کرتی ہیں اور مضامین میں آم جیسے قدرتی پھل کی افادیت کے ساتھ علم کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔کونسل کی پوری ادارتی ٹیم اس کے لیے قابل مبارکباد ہے۔

محمد معین الدین، بہرائچ، یوپی

بچوں کے لیے ہندوستان میں جتنے رسالے شائع ہوتے ہیں ان میں پابندی سے شائع ہونے کا شرف بچوں کی دنیا کو حاصل ہے۔ حالات کیسے بھی ہوں لیکن یہ شمارہ وقت پر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ جاتا ہے۔مئی کا شمارہ میرے ٹیبل پر ہے اور چائے کے ساتھ ساتھ میں اس کا مطالعہ بھی کر رہا ہوں، یقین مانیے بچوں کی دنیا کو پڑھتے ہوئے چائے پینے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ایک ہی نشست میں میں نے پوری کتاب پڑھ ڈالی اور پھر سوچا کہ قارئین کی حیثیت سے اتنا تو حق بنتا ہے کہ اس پر کچھ لکھا بھی جائے تو ایڈیٹر صاحب کے نام ایک خط حاضر ہے۔ پانی جیسے اہم موضوع پر آپ کا اداریہ بے حد شاندار ہے۔ واقعی جل ہی جیون ہے اور پانی قدرت کا سب سے انمول تحفہ ہے۔ بچوں کے ذہن میں اس وقت سے ہی اس کی اہمیت کو بٹھانا اور اس کی قدرو قیمت کو واضح کرنا ضروری ہے جبھی وہ اس کی اہمیت سے واقف ہو پائیں گے۔ مضامین میں نکہت انجم ناظم الدین کا مضمون تو ہر بچے کو بغور پڑھنا چاہیے اور اس میں کہانی لکھنے کے لیے جن نکات کا ذکر کیا گیا ہے اس پر غور بھی کرنا چاہیے تاکہ وہ بھی ایک اچھے کہانی کار بن سکیں۔یوم مادر کی مناسبت سے بھی تین عمدہ تحریریں اس شمارے کا حصہ ہیں۔ ہر تحریر ماں کی عظمت و رفعت کو بیان کر رہی ہے اور ماں کی بے لوث محبت کو واضح کر رہی ہے۔سیر وسیاحت کے ذیل میں دبئی کے سیر وتفریح اور وہاں کے اہم مقامات کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی عمارت برج خلیفہ، دبئی مال، برج العرب اور اٹلانٹس وغیرہ کی تاریخی اور ثقافتی اہمیت کو بھی پیش کیا گیا ہے۔نظموں کے تحت سات نظمیں ہیں جن میں مئی کی گرمی اور اس کی تپش کا ذکر ہے۔ اس نظم کو پڑھ کر واقعی گرمی کا احساس ہونے لگا اور ایسا محسوس ہوا کہ اچانک آس پاس گرمی بڑھ گئی ہے۔ جل ہی جیون ہے کے تحت تین تحریریں پانی کی اہمیت کو بیان کر رہی ہیں خاص طور پر افروزہ نعیم کی تحریر بے حد دلکش اور صاف ستھری ہے۔ محترمہ کا اسلوب نگارش بھی اچھا ہے اور بات کرنے کا سلیقہ اور طریقہ بھی عمدہ ہے۔ اس کے علاوہ کہانیاں، تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات کے ساتھ ساتھ چمن چمن کا پھول بھی پسند آیا۔اس خوب صورت اور معیاری رسالے کے لیے میں مدیر، نائب مدیر اور دیگر ارکان کو مبارکباد

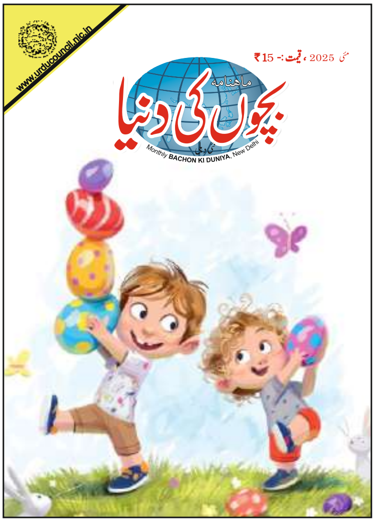

مضمون

بانو سرتاج

روشنی کا مینار: لائٹ ہاؤس

لائٹ ہاؤس کیا ہوتا ہے؟

لائٹ ہاؤس، سگنل بتانے والا ایک بہت بڑا بورڈ، سائن پوسٹ (Sign Post) ہوتا ہے جو سمندر میں کھڑا رہتا ہے اور اشاروں سے سمندر میں چلنے والے جہازوں کو آگاہ کرتا ہے کہ ساحل قریب ہے۔ کنارے پر رکنے کے لیے تیار ہو جایئے۔

لائٹ ہاؤس خصوصاً سمندروں کے لیے ہوتے ہیں مگر ندیوں اور جھیلوں میں بھی بنائے جاتے ہیں۔

لائٹ ہاؤس کو 'روشنی کا گھر' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے درج ذیل مقاصد ہوتے ہیں:

- ❖ بحری سفر کرنے والوں کی رہنمائی کرنا۔
- ❖ جہازوں اور کشتیوں کو راستے کے خطروں سے آگاہ کرنا یعنی Navigational aid فراہم کرنا، حادثوں سے بچانا۔
- ❖ روڈ ٹریفک سگنلوں کی طرح سمندری راستوں کا ٹریفک کنٹرول کرنا۔

لائٹ ہاؤس کی ساخت اور مقام حالات کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ زمین اور جزیروں پر جو لائٹ ہاؤس تعمیر کیے جاتے ہیں وہ تقریباً ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ان کی اونچائی اور روشنی کے آلات اس بات پر منحصر ہوتے ہیں کہ روشنی کتنی دور تک دکھائی جاتی ہے۔

سمندر میں بنائے جانے والے لائٹ ہاؤس پانی میں پڑے لاوارث چٹانوں پر بنائے جاتے ہیں جہاں پانی کی لہریں تھپیڑے مارتی رہتی ہیں۔ لائٹ ہاؤس انجینئرنگ کا شاہکار ہوتے ہیں۔

لائٹ ہاؤس کی تاریخ دو ہزار سال سے زیادہ پرانی نہیں ہے لیکن انسانی زندگی کی حفاظت کرنے والے ایک ذریعے کی شکل میں اس کا آغاز انیسویں صدی سے مانا جاتا ہے۔

ابتدا میں جہاز راں سمندری سفر کے دوران مختلف علامتوں، نشانوں سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ بھڑکتے آتش فشاں ان کے اچھے رہنما ثابت ہوتے تھے مگر آتش فشاں ہمیشہ ان کے راستے میں نہیں آتے تھے۔ انگلینڈ میں اونچے اونچے درخت لگا کر ان سے مدد لی جاتی مگر پیڑ رات میں مدد نہیں کر سکتے تھے۔

پھر مصر کے الیکزنڈریا (Alexandaria) کو ایک نادر خیال آیا کہ کیوں نہ سمندر میں پتھروں سے آسمان کو چھونے والا مینار کھڑا کیا جائے... بس سنگِ مرمر سے 600 فٹ اونچا ٹاور/ مینار کھڑا کر دیا گیا۔ چوٹی پر شعلے والی

آگ جلا دی گئی اور الیکزنڈریا کا لائٹ ہاؤس Pharos of Alexandaria تیار ہوگیا۔ Pharos جرمن زبان کا لفظ ہے جس کے معنی 'لائٹ ہاؤس' ہوتے ہیں۔ اس کا مطالعہ کرنے والے Pharologist کہلاتے ہیں۔

رات کے اندھیرے میں لائٹ ہاؤس میں آگ روشن ہوتی تو ایسا لگتا جیسے سورج نکل آیا ہو۔ اس کی روشنی میں جہاز آپس میں ٹکرانے سے بچ جاتے۔

یہ لائٹ ہاؤس قریب 1500 برسوں تک عمدگی سے خدمات انجام دیتا رہا پھر ایک بھیانک زلزلے میں ختم ہوگیا۔

نئے جوش کے ساتھ نیا لائٹ ہاؤس بنانے کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ ابتدا میں لائٹ ہاؤس کی چوٹی پر لکڑی کے ٹکڑوں اور کوئلوں سے آگ جلا کر روشنی کی جاتی تھی جو کافی خرچیلا نظام تھا۔ روشنی بھی ناکافی ہوتی تھی۔ ریسرچ جاری رہی اور لکڑی اور کوئلے کی جگہ وہیل مچھلی کے تیل نے لے لی۔

اٹھارہویں صدی ہی سے ویسے تو کہیں کہیں تیل کا استعمال شروع ہوگیا تھا، جلد ہی ثابت ہوگیا کہ تیل، کوئلے سے بہتر روشنی دیتا ہے۔ آگسٹین، فسنیل (Augustian Fesnel) نامی انجینئر نے روشنی میں اضافے کا طریقہ بھی کھوج لیا۔ اس نے محدب عدسہ (fesnel Lens) ایجاد کیا۔ Magnifying glass لائٹ ہاؤس میں استعمال ہونے لگا۔

تیل کے بعد کول گیس (Cool Gas) سامنے آئی۔ 1899 میں لائٹ ہاؤس کی ہوم سروس نے چمکیلا معدنی تیل استعمال کرنا شروع کیا۔ آج پوری دنیا میں تیل ہی استعمال ہوتا ہے۔ تیل گیس بڑے بڑے پیپوں میں بھری رہتی ہے۔ Aceteliw کی لو میں چمک بہت تیز ہوتی ہے اسی لیے اشاراتی Signals میں بڑے پیمانے پر استعمال ہوتی ہے۔ روشنی بڑھانے کے لیے اکثر بجلی کا استعمال بھی ہوتا ہے۔

چھوٹے لائٹ ہاؤسز کو چھوڑ کر بقیہ تمام لائٹ ہاؤسز کی چوٹی پر بنی ایک لالٹین کے اندر روشنی کے اوزار رکھے جاتے ہیں۔ لالٹین کا شیشہ بے حد مضبوط ہوتا ہے۔ اوپری حصہ گنبد کی طرح گول ہوتا ہے۔ چھوٹے لائٹ ہاؤس میں عام طور پر 5 فٹ گولائی کی بڑے میں 14 فٹ اور درمیانی لائٹ ہاؤس میں 12 فٹ گولائی کی لالٹین ہوتی ہے۔ لالٹین کی چھت عام طور پر لوہے کی ہوتی ہے۔ باہر لوہے کی جالی کا جنگلہ ہوتا ہے تاکہ سمندری پرندے لالٹین توڑ نہ دیں۔ 1759 میں ایک انگریز انجینئر جان سمیٹن (John Smeton) نے ایک نئے طرز کا لائٹ ہاؤس ڈیزائن کیا۔ اُس نے لکڑی کی بجائے پتھر کے انٹرلاک بلاکس سے لائٹ ہاؤس کی عمارت کی تعمیر کی جو بہت زیادہ مضبوط تھی۔

لائٹ ہاؤس مختلف طریقوں اور مختلف رنگوں سے پینٹ کیے جاتے ہیں تاکہ جہازراں انھیں آسانی سے پہچان سکیں۔ مثال کے طور پر آس پاس کے ماحول میں اگر سیاہ رنگ حاوی ہو تو لائٹ ہاؤس مکمل طور پر سفید رنگ کا ہوگا۔

لال لکیریں سفید بیک گراؤنڈ پر زیادہ واضح ہوتی ہیں۔

گول، خمیدہ شیپ کے لائٹ ہاؤس بہتر مانے جاتے ہیں۔

روشنی اتنی زیادہ اونچی رکھی جاتی ہے کہ کافی فاصلے سے بھی صاف نظر آ سکے۔

کھڑی چٹانوں پر چھوٹے اور پانی کی سطح کے قریب کے لائٹ ہاؤسز کی اونچائی مقابلتاً زیادہ ہوتی ہے۔

کسی خاص سمندری راستے یا خطرناک راستوں کے درمیان راستہ دکھانے کے لیے لائٹ کا انتظام کچھ ایسا ہوتا ہے کہ خطرے کی جگہ پر رنگین روشنی پڑے اور سفید روشنی خطرہ سے کافی فاصلے پر محفوظ راستے کی نشاندہی کرے۔

کتنے فاصلے سے لائٹ ہاؤس نظر آ سکتا ہے؟ یہ دو باتوں پر منحصر ہوتا ہے، ایک تو اس کی سمندر کی تہہ سے اونچائی اور دوسری روشنی کی تیزی۔

لائٹ ہاؤس کی طرز پر لائٹ بوٹ اور لائٹ جہاز بھی بنائے جاتے ہیں، ایسا دو وجوہات کی بنا پر ہوتا ہے:

- ❖ لائٹ ہاؤس کی بنیاد بنانے کے لیے چٹان پر جگہ نہ ملنے پر
- ❖ کنارہ ریتیلا ہو تب۔

ان دو وجوہات کے علاوہ اور خطروں کے لیے ایک لائٹ بوٹ 'روشنی کی کشتی' کا انتظام کیا جاتا ہے جو اپنے مستول پر لالٹین لیے آس پاس گھومتی رہتی ہے۔

اب دنیا کے چند اہم لائٹ ہاؤسز کے بارے میں جانیے:

(1) جدہ لائٹ ہاؤس (Jeddah Light House):

دنیا کا سب سے اونچا لائٹ ہاؤس جدہ (سعودی عرب) کا جدہ لائٹ ہاؤس ہے۔ اس کی اونچائی 436 فٹ (133 میٹرس) ہے۔ یہ 1990 میں بن کر تیار ہوا۔ یہ اسٹیل اور کانکریٹ سے بنا ہوا ہے اور 46 کلومیٹر میں

پھیلا ہوا ہے، اور ہر 20 منٹ میں تین سفید روشنیاں چھوڑتا ہے۔

(2) فیروس آف الیگزنڈریہ (Pharos of Alexandria):

فیروس آف الیگزینڈریہ، تیسری صدی ق م (279BC) میں اسکندریہ کے نزدیک بنا۔ اس کی اونچائی 600 فٹ (133 میٹرس) تھی۔ قدیم زمانے کے سات عجوبوں میں شامل تھا۔ تیرہویں صدی میں زلزلے سے تباہ ہوا۔ نام و

نشان باقی نہ رہا۔

❖ سوئزرلینڈ کا غیر معمولی لائٹ ہاؤس (Unusual Light House) اس لیے غیر معمولی ہے کہ برف میں

کھڑا ہوا ہے۔

(3) سینٹ جارج ریف لائٹ ہاؤس (Saint George Reef Light House) سینٹ جارج ریف لائٹ ہاؤس ایک بے عمل لائٹ ہاؤس ہے۔ شمالی ساحل پر کیلی فورنیا کے کریسنٹ شہر میں واقع ہے۔

❖ آزادی کا مجسمہ (Statue of Liberty): آزادی کا مجسمہ دراصل نیویارک کے اندرونی ساحل میں داخلے اور مغربی ساحل کے چٹانی کناروں سے دوری رکھنے کے لیے بنایا گیا لائٹ ہاؤس ہے اور سب سے زیادہ لاگت سے تیار شدہ لائٹ ہاؤس ہے۔ اسے بنانے میں 10 سال لگے اور لاگت آئی 715 ہزار ڈالر۔

* ٹاور آف ہرکولس (Tower of Herculis): ٹاور آف ہرکولس (World Heritage ites UNESCO) شامل لائٹ ہاؤس ہے اور اسپین کے لاکوروفیا بندرگاہ (La Corufia Harbour) کا داخلی دروازہ ہے۔ پہلی صدی عیسوی میں بنایا گیا یہ ٹاور آج بھی ورکنگ کنڈیشن میں ہے۔

❖ گریٹ برٹین کا ایڈی اسٹون (Edi Stone)، بیلراک (Belrock)، اسکیریور (Scarivore) اور فرانس کے لائٹ ہاؤس بھی مشہور ہیں۔

❖ بھارت میں صرف دو لائٹ ہاؤسز مشہور ہیں۔ ممبئی کے نزدیک والا لائٹ ہاؤس 1874 میں تیار ہوا تھا۔ بحر بنگال میں الم واڑہ (Almwada) میں 1865 میں لائٹ ہاؤس بنایا گیا تھا۔

آج لائٹ ہاؤس مشینوں اور ریموٹ سے چلتے ہیں۔ ریڈیو سگنلوں کے ذریعے جہاز پر سوار لوگوں سے بات چیت کرتے ہیں مگر اس زمانے میں جب ٹیکنالوجی اتنی ترقی یافتہ نہیں تھی، لائٹ ہاؤس کا عملہ لاوٹ ہاؤس چلاتا تھا۔ لائٹ جلتی ہوئی رکھنے کے لیے دن رات کوشاں رہتا تھا۔

ہر لائٹ ہاؤس میں چار چوکیدار ہوتے تھے جن میں سے تین لائٹ ہاؤس کے اندر اور ایک سمندر کے کنارے رہتا تھا۔ زمینی چوکیدار کے لیے لائٹ ہاؤس میں اتنی جگہ ہوتی تھی کہ وہ اپنا خاندان ساتھ رکھ سکتا تھا۔ یہ جگہ حفاظتی نقطۂ نظر سے رکھی جاتی تھی۔ چوکیدار یا ہاؤس کیپر معقول تنخواہ پاتے تھے۔

لائٹ ہاؤس کے عملے میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی خدمات دیتی تھیں۔ عملے کی بہادری اور ایمانداری کی کہانیاں عام ہیں۔ ■

Dr. Bano Sartaj
'Sartaj House', Jindran Nagar
Near 1st MSEB Tower, Pandharkawada Road
Yavatmal - 445001 (Maharashtra)
Mob.:9423418497

ساجد منیر

تعلیم و تربیت میں مادری زبانوں کا کردار

خدا نے انسان کو حیوانِ ناطق بنایا ہے۔ انسان اپنے خیالات، جذبات اور احساسات کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے زبان کا استعمال کرتا ہے۔ زبان ایک علامتی نظام ہے جس میں الفاظ، جملے اور گرامر کے اصول شامل ہوتے ہیں اور اس کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا آلہ ہے جس کے وسیلے سے ہم ایک دوسرے سے ہم کلام ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ زبان وہ رابطہ اتحاد ہے جو دو دلوں کو ملا کر ایک کر دیتی ہے، بگڑے ہوئے معاملات کو بناتی اور ٹوٹے ہوئے تعلقات کو ازسرِنو قائم کرتی ہے۔ بیگانے کو یگانہ بنا دیتی ہے۔ یعنی زبان ہی پر دنیا کی معاشرت، معاملت اور تجارت کا دارومدار ہے۔ بغیر اس کے دنیا کا کوئی کام نہیں چل سکتا۔ ہمارے تمام مشاغل، ہماری تمام دلچسپیاں اور ہمارے تمام کاروبار اسی زبان کی مدد کے رہینِ منت ہیں۔

تو جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ 21 فروری کے دن کو 'عالمی یومِ مادری زبان' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ مادری زبان سے مراد وہ زبان ہے جو ایک شخص اپنے والدین یا خاندان کے دیگر افراد سے بچپن میں سیکھتا ہے۔ انگریزی میں اسے 'Mother Tongue' کہا جاتا ہے۔ مادری زبان عموماً اس علاقے یا ثقافت کی زبان ہوتی ہے جہاں وہ شخص پیدا ہوتا ہے یا بڑا ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے، اس وقت بولنے کی قدرت نہیں

رکھتا، مگر اس کی تدریجی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی صلاحیتیں بھی ترقی پذیر ہوتی جاتی ہیں۔ چونکہ وہ اپنی مادری زبان کے ماحول میں پلتا بڑھتا ہے اسی وجہ سے وہ اپنے گھر کے ماحول، تہذیب، ثقافت اور احساسات و جذبات کو اپنی مادری زبان میں سیکھتا اور سمجھتا ہے۔ یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائی تعلیم و تربیت میں مادری زبان کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔ بچے کا ذہن ایک تالے کی مانند ہوتا ہے اور اس کو کھولنے کے لیے جس چابی کی ضرورت ہے اس چابی کا نام 'مادری زبان' ہے۔ ہماری ریاست اور ملک کا یہ المیہ ہے کہ بچہ جب اسکول جانے کے قابل ہوتا ہے تو ہم اسے سب سے اعلیٰ معیار کے انگریزی اسکول میں داخل کراتے ہیں۔ انگریزی زبان میں تعلیم حاصل کرنا کوئی بری بات نہیں ہے لیکن بچے کے لیے نئی زبان سیکھنا ایک چیلنج ہوتا ہے۔ خاص طور پر جب وہ ابتدائی مراحل میں ہو۔ کیونکہ کسی چیز کو اچھے طریقے سے سمجھنے کے لیے پہلے اس کو وہ چیز سیکھنی ہوگی اور پھر وہ اس بات کو گہرائی میں سمجھ سکے گا۔ اس کے برعکس اگر وہی چیز اس کی مادری زبان میں سمجھائی جائے تو بہت جلدی اور آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کیونکہ بچہ پہلے سے ہی اپنی مادری زبان کے بنیادی اصولوں سے واقف ہو چکا ہوتا ہے۔

تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو بچے اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ عموماً تعلیمی میدان میں بہتر نتائج حاصل کرتے ہیں۔ ان کی تعلیمی کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ وہ مواد کو بہتر طور پر سمجھتے ہیں اور اس پر عمل درآمد کر سکتے ہیں۔ مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے سے بچوں کی سماجی مہارتوں میں بھی بہتری آتی ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بہتر طور پر بات چیت کر سکتے ہیں اور Group Discussion میں زیادہ اچھے طریقے سے حصہ لے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنا بچوں کی نفسیاتی صحت کے لیے بھی فائدہ مند ہوتی ہے کیونکہ یہ انھیں ایک محفوظ اور آرام دہ ماحول فراہم کرتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مادری زبان کی اہمیت اور تحفظ کے پیشِ نظر نیشنل ایجوکیشن پالیسی 2020 (NEP2-2020) میں خاص اہمیت دی گئی ہے، جس کا مقصد ملک میں نظامِ تعلیم کو بہتر بنانا اور ہر بچے کو معیاری تعلیم فراہم کرنا ہے۔ اس پالیسی کے تحت اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ابتدائی تعلیم مادری زبان میں فراہم کی جائے اور حکومت نے یہ عزم کیا ہے کہ ہر بچے کو اس کی مادری زبان میں معیاری تعلیم دی جائے تاکہ وہ اپنے تعلیمی سفر کا آغاز ایک مضبوط بنیاد کے ساتھ کر سکے۔ اس طرح اب امید کی جا سکتی ہے کہ مادری زبانوں کے تحفظ میں بہتری آئے گی اور مختلف علاقائی زبانوں میں ادب بہتر طریقے سے وجود پذیر ہوگا۔ اس سے ہمارا ملک مختلف قوموں، مختلف زبانوں اور مختلف سماج کے لوگوں کو ایک ساتھ لے کر ترقی کے مراحل طے کرے گا اور یہی اس ملک کی گنگا جمنی تہذیب کی خوبصورت علامت ہے۔

■

Dr. Sajid Muneer
Dept of Gujri Pahari
Baba Ghulam Shah Badshah University
Rajori- 185234 (J&K)

مضمون

اردو ادب اور بچوں کی دنیا

جاوید قمر لیاقتی

اردو ادب میں بچوں کے لیے لکھنے والے مصنفین اور مدیران ہمیشہ سے ایک روشن چراغ کی مانند رہے ہیں۔ان افراد نے بچوں کی ذہنی، اخلاقی اور فکری تربیت کے لیے جو خدمات سرانجام دی ہیں، وہ نہ صرف قابلِ ستائش ہیں بلکہ اردو زبان اور تہذیب کی بقاو ترویج میں ان کا کردار بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔بچوں کا ادب محض تفریح یا وقت گزاری کا ذریعہ نہیں بلکہ یہ ایک با قاعدہ تربیتی میدان ہے، جہاں بچوں کی شخصیت کو نکھارنے، ان میں اچھائی اور برائی کا فرق سمجھانے، اور ان کے دلوں میں علم و اخلاق کے بیج بونے کی کوشش کی جاتی ہے۔

بچوں کے لیے ادب تخلیق کرنا بظاہر آسان نظر آتا ہے، لیکن درحقیقت یہ ایک نہایت مشکل اور سنجیدہ کام ہے۔بچوں کی نفسیات، دلچسپیوں، جذبات اور ذہنی سطح کو سامنے رکھتے ہوئے کہانی، نظم یا مضمون تخلیق کرنا، ایک ایسی مہارت ہے جو ہر لکھنے والے کے بس کی بات نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو ادیب اس میدان میں کامیاب ہوئے، وہ ہمارے ادب کے درخشاں ستارے بن گئے۔ان کی تحریریں نہ صرف بچوں کو پسند آتی ہیں بلکہ بچوں کی اخلاقی تعمیر، تعلیمی ترقی اور شعوری بالیدگی میں بھی بھرپور کردار ادا کرتی ہیں۔

یہ مصنفین نہ صرف کہانیاں اور نظمیں لکھتے ہیں بلکہ وہ بچوں کے ذہنوں کو مثبت سوچ اور تعمیری فکر کی طرف مائل کرنے والے خیالات سے بھی مالا مال کرتے ہیں۔ ان کے کردار، کہانی کی فضا، مکالمے اور زبان اس طرح سے ترتیب دی جاتی ہے کہ وہ بچے کے دل میں اتر جائے۔ یوں ایک اچھی کہانی نہ صرف دلچسپ واقعہ بن جاتی ہے بلکہ ایک خاموش استاد کا کردار بھی ادا کرتی ہے۔

اردو ادب میں مولوی اسماعیل میرٹھی، نذیر احمد، سیدہ نسرین، شوکت تھانوی، اشرف صبوحی، اور حفیظ جالندھری جیسے نامور مصنفین نے بچوں کے لیے ایسے شاہکار تخلیق کیے جو آج بھی زندہ ہیں۔ان کے علاوہ عبدالسلام، محبوب الٰہی مخمور، عذرا نقوی، پروین قمر، اور قمر علی عباسی وغیرہ جیسے

لکھاریوں نے بچوں کے لیے نئے انداز میں تخلیقات پیش کیں جن میں زمانے کے تقاضے، جدید تعلیم، اور تربیتی پہلو بیک وقت موجود تھے۔ ان ادیبوں نے بچوں کو ایسے خواب دکھائے جو تعمیری بھی تھے اور حقیقت سے قریب بھی۔ ان کی تحریروں نے نئی نسل کو نہ صرف سوچنا سکھایا بلکہ انھیں اپنے معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی ورثے سے جوڑنے کا کام بھی کیا۔

اسی ادبی اور تربیتی مشن کو کامیابی سے آگے بڑھانے والا ایک اہم رسالہ ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ بھی ہے۔ یہ رسالہ تیرہ برسوں سے اردو زبان میں بچوں کے لیے ایسی تحریریں شائع کر رہا ہے جو ادب، اخلاق، علم، تاریخ اور تہذیب کا حسین امتزاج ہیں۔ ’بچوں کی دنیا‘ ایک ایسا روشن چراغ ہے جس کی روشنی نے کئی نسلوں کے اذہان کو منور کیا ہے۔ اس رسالے نے اردو زبان میں بچوں کے ادب کو ایک نئی شناخت دی ہے، اور اسے صرف کہانیوں اور نظموں تک محدود نہیں رکھا بلکہ معلوماتی، سائنسی، مذہبی اور سماجی موضوعات کو بھی نہایت دلچسپ انداز میں بچوں کے سامنے پیش کیا ہے۔

’بچوں کی دنیا‘ کے مدیران نے ہمیشہ معیار اور مقصدیت کو اولیت دی ہے۔ انھوں نے صرف تفریح یا دل بہلانے والے مواد کو شائع کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ یہ کوشش کی کہ ہر تحریر بچے کے اندر سوچنے کی صلاحیت پیدا کرے، اس کے اندر کا تخلیق کار جاگے، اور وہ اپنی ذات کو پہچانے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی اس رسالے کا ہر شمارہ بچوں اور والدین کے لیے یکساں دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔ اس رسالے میں شائع ہونے والی کہانیاں، مضامین، اور نظمیں محض ایک بار کے مطالعے کے لیے نہیں ہوتیں، بلکہ وہ بار بار پڑھنے پر بھی نئے معانی ومفاہیم عطا کرتی ہیں۔

’بچوں کی دنیا‘ کی سب سے بڑی خوبی اس کا تعلیمی وتربیتی رجحان ہے۔ جہاں ایک طرف اس میں اخلاقیات، شرافت، دیانت داری، محنت، دوستی، ہمدردی اور انسان دوستی جیسے موضوعات پر مبنی تحریریں شامل ہوتی ہیں، وہیں دوسری طرف جدید سائنسی معلومات، انوکھے تجربات، دلچسپ کوئز، اور نئے نئے انکشافات پر مشتمل مضامین بھی شائع کیے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ بچوں کی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت سہل، رواں اور جاذبِ نظر انداز میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ بچے بیزاری محسوس نہ کریں بلکہ سیکھنے کے عمل سے لطف اندوز ہوں۔

ماہنامہ ’بچوں کی دنیا‘ کا ایک اور نمایاں پہلو یہ ہے کہ یہ بچوں کو کتابوں سے دوستی سکھاتا ہے، مطالعے کا شوق پیدا کرتا ہے، اور زبان کی لطافت ونفاست سے آشنا کرتا ہے۔ آج کے ڈیجیٹل دور میں جب بچے موبائل، ٹی وی اور ویڈیو گیمز کی دنیا میں مگن ہیں، ایسے میں یہ رسالہ انھیں ایک مہذب، تعمیری اور فکری تفریح فراہم کرتا ہے۔ یہ رسالہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ اچھی کہانی، نظم یا مضمون آج بھی بچے کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے، بشرطیکہ اسے بچوں کی زبان، ان کے انداز اور دلچسپیوں کے مطابق پیش کیا جائے۔

’بچوں کی دنیا‘ میں شائع ہونے والا اداریہ ایک منفرد پہلو رکھتا ہے۔ ہر مہینے کسی اہم موضوع کو چن کر بچوں سے اس پر بات کی جاتی ہے۔ اس میں سوالات اٹھائے جاتے ہیں، سوچنے کی راہیں دی جاتی ہیں، اور

بچوں کو احساس دلایا جاتا ہے کہ وہ محض چھوٹے نہیں بلکہ ایک روشن مستقبل کے معمار ہیں۔ یہی وہ انداز ہے جو 'بچوں کی دنیا' کو محض ایک رسالہ نہیں بلکہ بچوں کے ادب کا ایک قیمتی خزانہ بناتا ہے۔ اداریہ کے ذریعے نہ صرف بچوں کو قومی اور اخلاقی شعور دیا جاتا ہے بلکہ ان میں خود اعتمادی، سچائی، اور محنت کی اہمیت بھی اجاگر کی جاتی ہے۔

اس رسالے کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس نے نوآموز لکھاریوں کو بھی ہمیشہ خوش آمدید کہا۔ نئے لکھنے والوں کو اپنی تخلیقات کے ذریعے اپنا پیغام دینے کا موقع ملا، جس سے اردو ادب میں نئے لہجے اور نئے خیالات شامل ہوئے۔ بچوں کے لیے لکھنے والے یہ نو وارد مصنفین بھی آہستہ آہستہ تجربہ حاصل کر کے بڑے ادیبوں کی صف میں شامل ہو گئے۔

موجودہ دور میں جب معاشرتی، اخلاقی اور تعلیمی بحران نے بچوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، 'بچوں کی دنیا' جیسے رسائل کسی نعمت سے کم نہیں۔ یہ بچوں کو ایک ایسی دنیا سے روشناس کراتے ہیں جہاں اقدار زندہ ہیں، خواب بیدار ہیں، اور خیالات بلند ہیں۔ ایسے رسائل بچوں کو ایک متوازن، بااخلاق اور باعلم شخصیت بنانے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

آخر میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بچوں کے ادب کو جتنا فروغ مل رہا ہے، اس میں ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' اور اس جیسے دیگر ادبی و تربیتی اداروں کا کردار نہایت اہم ہے۔ اردو زبان کو زندہ رکھنے، اسے نسلِ نو تک پہنچانے، اور بچوں کو ایک مثبت اور باشعور سوچ دینے میں ان رسالوں کا کوئی نعم البدل نہیں۔

■

Javed Qamar Liyaqati
126/7, Ajmeri Gate
Akash Wani Road, Husaini Masjid
Firozabad - 283203 (UP)

ہم بادل کہلاتے ہیں

زور کی گرمی جب پڑتی ہے ہم بارش لے آتے ہیں
ہند مہا ساگر سے اٹھ کر بھارت پہ چھا جاتے ہیں
تیز چلا کر اپنے پنکھے گرمی دور بھگاتے ہیں
ساری رُت بدلاتے ہیں
ٹھنڈی ٹھنڈی مست ہوائیں دامن میں بھرلاتے ہیں
ہم بادل کہلاتے ہیں

بادل بننے سے پہلے ہم پانی ہی کہلاتے ہیں
جب ہم پر پڑتی ہے کرنیں ہم بادل بن جاتے ہیں
بادل بن کر جب اڑتے ہیں پربت سے ٹکراتے ہیں
ہم بارش لے آتے ہیں
ٹھنڈی ٹھنڈی مست ہوائیں دامن میں بھرلاتے ہیں
ہم بادل کہلاتے ہیں

جب ہم آ کر ہندستان کی دھرتی پر چھا جاتے ہیں
اپنے اپنے کھیتوں میں ہل والے ہل لے آتے ہیں
ہل وہ چلاتے ہیں جب اپنا ہم پانی برساتے ہیں
مل کر ناج اُگاتے ہیں
ٹھنڈی ٹھنڈی مست ہوائیں دامن میں بھرلاتے ہیں
ہم بادل کہلاتے ہیں

■

ماخذ: بچوں کی نظمیں، **شاعر:** جگن ناتھ آزاد
پانچویں طباعت: 2010
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

نظم

مینڈکوں کا گیت

ہم مینڈک ہیں ٹرائیں گے ہم مینڈک ہیں ٹرّائیں گے
ہم شوق سے جا کر بھینسوں کے آگے بھی بین بجائیں گے

کیوں ہم سے کسی کو الجھن ہو کیوں کوئی ہمارا دشمن ہو
جب کام ہمارا گانا ہے ہم گاتے ہیں ہم گائیں گے

ہر راگ نیا ہر رنگ نیا ہر طرز نئی ہر ڈھنگ نیا
جب جھینگر راگ الاپیں گے تب ہم بھی تان اڑائیں گے

جب کالے بادل گرجیں گے اور ٹوٹ کے ہم پر برسیں گے
تب ہم اچھلیں کودیں گے سڑکوں پر دھوم مچائیں گے

ہم کیسے چھیل چھبیلے ہیں کچھ نیلے ہیں کچھ پیلے ہیں
ہم اپنے ترانے سے دنیا والوں کے دل گرمائیں گے

جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں ہم الفت کا دم بھرتے ہیں
نفرت کے پجاری آئیں تو ہم ان کو مار بھگائیں گے

ہم مینڈک ہیں ٹرائیں گے ہم مینڈک ہیں ٹرائیں گے
ہم شوق سے جا کر بھینسوں کے آگے بھی بین بجائیں گے

■

ماخذ: بچوں کا باغ، **شاعر**: ظفر کمالی
چوتھی طباعت: 2023
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

محمد وزیر عالم

صحت کے اصول

اچھے اچھے کام کرو اے پیارے بچو
کہتا ہوں میں جو جو تم کو اس کو لازم سمجھو

دانتوں کی تم کرو صفائی صبح اٹھو جب سو کے
برش کرو پھر رات میں بھی کھانے سے فارغ ہو کے

دانت تمھارے کبھی نہ ہوں گے گندے اور نہ پیلے
خوب حفاظت ہوگی ان کی نہیں لگیں گے کیڑے

رات میں فوراً سو جاؤ اور صبح اٹھو تم جلدی
اس سے ملے گی صحت، دانائی اور دولت مندی

صبح سویرے دوڑ لگاؤ یہ ہے اچھی کسرت
جسم رہے گا پھرتیلا اور بنی رہے گی صحت

بال مہینے میں کٹواؤ اور ناخن ہر ہفتے
روز نہا کر کپڑے بدلو رہو صاف اور ستھرے

بچو انھیں نہ کھانا تم جو چیزیں ہیں بازاری
ان کو کھانے سے ہوسکتی ہے تم کو بیماری

گھر میں جو کچھ پکے تمھارے اسے ہی خوش خوش کھاؤ
دودھ پیو پھل کھاؤ تازہ تنومند بن جاؤ

تن کی خاطر مضر بہت ہے بھرے پیٹ پر کھانا
صحت کا ضامن ہے لیکن کچھ بھوکے اٹھ جانا

بچو اس دنیا میں صحت بہت بڑی ہے نعمت
عمل کرو ان سب باتوں پر اس کی کرو حفاظت

■

Md. Wazeer Alam
Madrasa Rahmatul Uloom
Naukatola, Hardiya Raxaul
East Champaran - 217495 (Bihar)
Mob.: 9534443838
mdwazeeralam95@gmail.com

نظم

وسیم احمد نگرامی

چلو بچائیں پانی کو

ہم سب کی زندگانی کو
چلو بچائیں پانی کو
پل پل یہ کام آتا ہے
سب کی پیاس بجھاتا ہے
جہاں جہاں یہ پڑ جائے
ہرا بھرا سب کر جائے
تھوڑا کم اس کو کھرچیں
روکیں اب منمانی کو
چلو بچائیں پانی کو
پانی سے زندگانی ہے
اسی سے دھرتی دھانی ہے
خرچیں مگر ضرورت بھر
تھوڑا تھوڑا بچ بچ کر
وقت آگیا سمجھائیں
ہر نسل انسانی کو
چلو بچائیں پانی کو
کہاں سے انساں لائے گا
تھوڑا جب رہ جائے گا
یہ دھرتی پر ہے محدود
قائم رکھو اس کا وجود
جیتے جی زندہ رکھو
دھرتی کی طغیانی کو
چلو بچائیں پانی کو
مشکل کے دن یاد کرو
نہیں اسے برباد کروں
کھولو کھولو ذرا عقل
دینا ہوگا ہمیں دخل
وقت آگیا آؤ بچائیں
ان کی بچی نشانی کو
چلو بچائیں پانی کو
ہم سب کی زندگانی کو

■

Vasim Ahmad Nagrami
10/42, Nagram Bazar
Lucknow -226303 (UP)
Mob.: 9198931894
vasimahmad438@gmail.com

نوری ترکیب

سورج کی روشنی میں
سرسبز پیڑ پودے
پتوں میں جن کے رہتا
ہے سبز سا جو مادہ
کہتے ’کلوروفل‘ ہیں
اس کی ہی پھر مدد سے
لے کر زمیں سے پانی
اور سی اوٹو (CO_2) فضا سے
کرتے غذا ہیں پیدا
اور دیتے ہیں فضا کو
مقدار میں بھی یکساں
وہ گیس آکسیجن
کرتی ہے جو تعاون
لینے میں سانس سب کے
بس نام اس عمل کا
ترکیبِ ضیا ہے
یا عرفِ عام میں تم
ترکیبِ نوری کہہ لو

■

Md Aboo Hasan
32/N.C.M Road
Champdany Bazar
Distt.: Hooghly - 712222 (West Bengal)
Mob.: 8240920408
hasanaatish@gmail.com

هاجره نور زریاب

سورج

جب چہرہ دکھلاتا ہے
روشنیاں پھیلاتا ہے
سردی کی جب شدت ہو
جسموں کو گرماتا ہے
سہل طلب انسانوں کو
محنت پر اکساتا ہے
روز نکل کر مشرق سے
اپنا رنگ جماتا ہے
پیلی زرد جبینوں پر
خون کی سرخی لاتا ہے
یہ قدرت کی نعمت ہے
سورج ایک حقیقت ہے

■

Hajra Noor Zaryab
Ganga Nagar
Near Modern English School
Akola - 444002 (Maharashtra)
Mob.: 9922318742
farhanhanifwarsi@gmail.com

محمد اشتیاق عالم فیروزآبادی

ہوئے ختم چھٹی کے دن

ہوئے ختم چھٹی کے دن دوستو
چلو اب چلو اپنے اسکول کو
رہو اب نہ تم دور تعلیم سے
رکھو خود کو معمور تعلیم سے
یہ دولت اگر تم کو مل جائے گی
کلی ہے جو دل کی وہ کِھل جائے گی
ملیں گے وہاں عظمتوں کے سراغ
جہاں علم کے ہوں گے روشن چراغ
زمانے میں عظمت کو پانے چلو
چلو اب یہ دولت کمانے چلو
کتابوں سے جو دل لگاؤ گے تم
تو بگڑا مقدر بناؤ گے تم
جو ہے علم والا وہ ہے معتبر
ادب اس کا کرتے ہیں اہلِ نظر
جو دولت سے محروم ہے علم کی
وہ نردھن ہے کنگال ہے آدمی
کرو خود کو آراستہ علم سے
ترقی کا ہے سلسلہ علم سے
کتابوں سے رکھی جو وابستگی
تو بہتر بنالو گے تم زندگی

■

Mohd Ishtiyaq Alam Firozabadi
Nagla Kothi
Masjid Hasan Ke Pas
Firozabad - 283203 (UP)
Mob.: 9219258037
ishtiyak.1437@gmail.com

اول انعام

محمد رفیع انصاری

اسکول کے سالانہ تقریری مقابلے میں ابھی صرف تین دن باقی رہ گئے تھے۔ امیدوار تقریری مقابلے کی تیاری کررہے تھے جب کہ شائقین بھی اس دن کا بے چینی سے انتظار کررہے تھے۔ منتظمین اپنی تیاریاں مکمل کرنے میں لگے تھے۔ جلسہ گاہ کو سجانے کا سلسلہ بھی شروع کیا جاچکا تھا۔ پرنسپل صاحب مہمانوں کی آمد کے منتظر تھے۔ اساتذہ اپنے ذمے دیے گئے کاموں کو خوب سے خوب تر کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ سب کی تیاری تقریباً مکمل تھی۔ لیکن ابھی تک ہمارے اسکول کے مقرر کو تقریر یاد نہیں ہوئی تھی۔

نویں جماعت کے ایک طالبِ علم کا نام عمر تھا۔ نٹ کھٹ عمر کی صحت اپنے ہم جماعتوں سے بہتر تھی۔ وہ ہنس مکھ تھا اور ملنسار بھی تھا۔ مگر جب شرارت پر اتارو ہو جاتا تو بڑے بڑوں کے بھی قابو میں نہیں آتا۔ اسے دس دن کے بعد بھی تقریر یاد نہ ہوسکی تھی۔ اس کے استاد نے بڑی محنت سے آسان زبان میں اسے ایک تقریر لکھ کر دی تھی، اس کے باوجود اس نے محنت نہیں کی جس کی وجہ سے اس کے استاد بہت مایوس تھے۔

تقریر تیار کرنے میں استاد کو کئی دن لگ گئے تھے۔ جب تقریر مکمل ہوگئی تو مقرر کے انتخاب کا مرحلہ آیا۔ اس کا باقاعدہ اعلان کیا گیا۔ سیکڑوں لڑکوں میں سے دس بچے چنے گئے۔ دس میں سے ایک کو نکالنے کے لیے پھر ان کا امتحان ہوا۔ بہ وقت تمام جس طالبِ علم پر نظر ٹھہری وہ نویں کا طالبِ علم عمر تھا۔

عمر کے تلفظ اور انداز بیان کو سدھارنے میں استاد نے کئی دن صرف کیے۔ شعر پڑھنے کے انداز کو پرکشش بنانے کے لیے بھی انھوں نے محنت کی۔ سب سے زیادہ محنت انھیں نون غنہ کے مناسب استعمال پر کرنی پڑی۔

استاد کو باقی امیدوار بچوں سے تو بہر حال ہمدردی تھی مگر وہ عمر کو منتخب کر کے مطمئن تھے... اب وہ یہ سوچ رہے تھے کہ کاش عمر کی جگہ ہم نے ابوبکر کو چنا ہوتا تو یہ دن دیکھنا نہیں پڑتا۔

پھر یوں کہ دو دن پہلے استاد نے عمر کو اپنے گھر بلایا اور اس سے تقریر یاد نہ کرنے کا سبب پوچھا... عمر اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ استاد جن کا کوئی بھی شاگرد ابھی تک کڑے سے کڑے مقابلے میں بھی

کبھی ناکام نہیں ہوا تھا... آج پہلی بار پریشان نظر آئے... اس رات ان کی نیند اُڑ گئی...ان کی بے چینی سے گھر والے بھی فکر مند ہو گئے... رات کے آخری پہر ان کی آنکھ لگ گئی۔ پھراچانک اٹھ بیٹھے جیسے انھیں کچھ یاد آ گیا۔اب ان کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوگئی تھی۔

اگلے دن اسکول پہنچ کر انھوں نے عمر کی خبر لیتے ہوئے پوچھا 'عمر تمھیں یاد ہے تمھاری کلاس میں ایک لڑکا ساجد ہوا کرتا تھا؟' وہ اب کس حال میں ہے؟ یہ سن کر عمر کچھ سوچنے لگا۔ کچھ دیر بعد بولا... سر یہ وہی ساجد تو نہیں جو اسکول سے اکثر بھاگ جایا کرتا تھا۔اس کے گھر والے کتنے پریشان رہتے تھے۔وہ اسکول نہ جانے کے سو بہانے کرتا تھا مگر اس کے والد اسے اسکول بھیجنے کے سو جتن کرتے رہے... افسوس وہ اپنی مہم میں کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر اس کے بعد کیا ہوا یہ مجھے معلوم نہیں' عمر نے استاد سے پوچھا سر! ساجد ان دنوں کیا کر رہا ہے؟... وہ بولے' یہ جاننے کے لیے آج تم میرے گھر آؤ وہاں ساجد سے تمھاری ملاقات ہوگی۔' عمر کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے... بجائے اس کے کہ استاد اس سے تقریر کی بابت دریافت کرتے وہ ساجد کا معاملہ لے بیٹھے تھے... وہ اس بات پر بہت فکر مند ہو گیا کہ سر آخر ساجد کو اس سے کیوں ملانا چاہتے ہیں!... ایسے کئی سوالات کے جوابات جاننے کے لیے وہ بے چین ہو گیا۔

پرسوں تقریری مقابلہ تھا اور آج استاد کے گھر عمر اور ساجد آمنے سامنے تھے۔استاد نے عمر سے کہا' دیکھو ساجد تمھارے سامنے ہے۔اس سے جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لو۔عمر ساجد کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس سے پوچھا کہ وہ اب کیا کر رہا ہے؟... ساجد بولا۔ دو سال قبل ابّو نے مجھے ایک اسکول میں داخل کروا دیا تھا... وہاں میں نے بہت محنت کی اور ہمیشہ اچھے نمبر لاتا ہوں۔ میری کارکردگی سے سب مجھ سے بہت خوش ہیں... مجھے یہ سن کر بہت اچھا لگا کہ تم پرسوں ہونے والے تقریری مقابلے میں حصہ لے رہے ہو... میں تمھاری تقریر سننا چاہتا ہوں... میں اس مقابلے میں صرف تمھیں سننے کے لیے آؤں گا... ساجد کی باتیں سن کر عمر کی عجیب حالت ہو گئی۔

اس نے اپنے دل میں کہا ارے واہ یہ وہی ساجد ہے جسے آسان سوال کا جواب بھی یاد نہ ہوتا تھا، جو پھسڈی کہلاتا تھا... آج وہ اپنی محنت سے اساتذہ اور والدین کے دلوں میں ایک مقام حاصل کر چکا ہے اور میں ابھی تک اپنی تقریر بھی یاد کرنے سے قاصر ہوں... وہ پرسوں مجھے سننے آ رہا ہے... میں چاہتا ہوں وہ مجھے سن کر خوش ہو... میں اسے ہرگز مایوس نہیں کروں گا... استاد ساجد اور عمر کو بغور دیکھ رہے تھے۔انھیں اپنی حکمت کامیاب ہوتی نظر آنے لگی تھی۔

تقریری مقابلہ بہت شاندار رہا۔ چالیس مقرروں نے اپنے فن کا بہت عمدہ مظاہرہ کیا۔عمر کی تقریر سب سے اچھی رہی۔ اسے مقابلے کا اوّل انعام ملا۔استاد نے دیکھا نتیجے کے اعلان کے بعد ساجد اور عمر گلے مل رہے تھے... یہ منظر دیکھ کر وہ اپنی استادی پر مسکرانے لگے۔

■

Mohd Rafi Ansari
'Almadni' 734 Bhusar Mohalla
Bhiwandi - 421302 (Maharashtra)
rafiansari1651@gmail.com

مظفر حسین غزالی

جنت کی مٹی

چندن کے پاس قدرت کا دیا آج سب کچھ تھا۔ گھر، کھیت کھلیان، گائے، بھینس، باغ، ٹریکٹر، موٹر گاڑی وغیرہ۔کھانے پینے کی کوئی کمی نہ تھی۔گاؤں میں سب اس کی عزت کرتے اوراپنے بچوں کواس کی مثال دیتے تھے۔ چندن سب کے سکھ دکھ میں کام آتا تھا۔ وہ ملنسار ہونے کے ساتھ اتنا سمجھدار تھا کہ بڑے سے بڑا مسئلہ چٹکیوں میں حل کر دیتا تھا۔اسے گاؤں کے لوگوں نے اپنا سرپنچ بنا لیا۔مگر وہ اپنا تکلیفوں بھرا وقت ہمیشہ یاد رکھتا تھا۔اس کی پیدائش ایک غریب گھر میں ہوئی تھی۔بچپن میں اسے چندو کہتے تھے۔اس کے ابا کھیت مزدور تھے۔فصل کی بوائی اور کٹائی کا وقت تو اچھا گزرتا لیکن باقی دن مشکل سے گزرتے تھے۔ابا کو کئی کئی دن کام نہیں ملتا تھا۔مگر اس کی اماں پریشانی کا احساس نہیں ہونے دیتی تھی۔ان کا بچایا ہوا غلہ اور پیسے ان دنوں میں کام آتے تھے۔

بچپن کا وہ دن چندو کو آج بھی یاد ہے جب اس نے محلے کے بچوں کو اسکول ڈریس میں جاتے دیکھ کر اماں سے اسکول جانے کی ضد کی تھی۔انھوں نے فصل کی کٹائی کے بعد داخلہ کرانے کا دلاسہ دیا۔ یہ سن کر وہ چپ تو ہو گیا مگر دل میں اسکول جانے کی ٹھان لی۔روز صبح بچوں کے ساتھ اسکول جاتا اور دعا ہونے تک دروازے پر کھڑا رہتا۔اسے دعا اتنی اچھی لگی کہ اس نے یاد کرلیا۔کھیلنے کے دوران بھی وہ دعا دہراتا رہتا۔ایک دن وہ اپنی دھن میں پڑھ رہا تھا۔

بہا دو پریم کی گنگا، دلوں میں پریم کا ساگر
ہمیں آپس میں مل جل کے، پربھو رہنا سِکھا دینا
ہمارادھرم ہو سیوا، ہمارا کرم ہو سیوا
سدا ایمان ہو سیوا، و سیوک جن بنا دینا
وطن کے واسطے جینا، وطن کے واسطے مرنا
وطن پر جاں فدا کرنا، پربھو ہم کو سکھا دینا

ادھر سے اسلم صاحب گزر رہے تھے۔ وہ گاؤں کے اسکول میں ٹیچر تھے۔چندن کو سریلی آواز میں گاتے ہوئے دیکھ کر وہ رک گئے۔انھوں نے بڑے پیار سے پوچھا، بیٹا آپ کس اسکول میں پڑھتے ہیں؟ یہ نظم کیا تمھارے اسکول میں پڑھی جاتی ہے؟ چندن نے کہا ابھی میں اسکول

نہیں جاتا، اماں فصل کی کٹائی کے بعد میرا داخلہ کرائیں گی۔ اسلم صاحب نے حیرت سے پوچھا پھر یہ نظم تمھیں کس نے یاد کرائی؟ اس نے اسکول کے باہر کھڑے ہو کر دعا سننے اور یاد کرنے کی بات بتائی۔ یہ سن کر اسلم صاحب کا دل بھر آیا۔ انھوں نے معلوم کیا کہ کیا تم اسکول میں پڑھنا چاہتے ہو۔ چندن کی تو جیسے دل کی مراد پوری ہو گئی۔ خوشی میں اس کی زبان سے کچھ نہیں نکلا اس نے بس ہاں میں سر ہلا دیا۔

شام کو اسلم صاحب چندن کے گھر آئے۔ اس کے ابا سے چندن کا اسکول میں داخلہ کرانے کو کہا۔ اس کے ابا ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے اور کہا صاحب ہم غریب ہیں۔ ہمارے پاس اسکول کی فیس دینے کے پیسے نہیں ہیں۔ ماسٹر صاحب نے بتایا کہ اب سرکار نے آٹھویں تک کی تعلیم سب کے لیے لازمی اور مفت کر دی ہے۔ کاپی، کتابیں، اسکول بیگ اور ڈریس اسکول سے مفت ملتی ہے۔ دوپہر کا کھانا بھی حکومت دیتی ہے۔ میں اسی اسکول میں پڑھاتا ہوں، بچے کا پورا خیال رکھوں گا۔ ان کی باتیں سن کر چندن کے ابا اسے اسکول بھیجنے کو تیار ہو گئے۔

چندن ذہین ہونے کے ساتھ بہت محنتی تھا۔ پھر اسلم صاحب جیسے ٹیچر اس کے نگراں تھے۔ وہ روز اسکول جاتا اور کوئی بات سمجھ نہیں آتی تو اپنے ٹیچروں سے معلوم کرتا تھا۔ گھر آکر اپنا سبق دہراتا اور ہوم ورک پورا کر کے ہی سوتا تھا۔ کبھی کوئی سوال حل نہیں ہوتا تو اسلم صاحب سے معلوم کرنے ان کے گھر چلا جاتا تھا۔ چندن ہر کلاس میں اول آتا، اس کی پڑھائی میں لگن اور دلچسپی کو دیکھ کر سب اس سے محبت کرتے تھے۔ ہائی اسکول میں اس نے پورے ضلع میں ٹاپ کیا اور ریاست میں اسے دوسرا مقام ملا۔ اخبار میں اس کا فوٹو دیکھ کر گاؤں کے لوگ بہت خوش تھے۔ اسے چیف منسٹر اور ضلع کلکٹر نے انعام سے نوازا۔ اسکول کے پرنسپل، ٹیچر، گاؤں کے مکھیا، ایجوکیشن افسر اور بہت سے لوگوں نے اسے مبارکباد دی۔ آگے کی پڑھائی کے لیے حکومت نے وظیفہ دینے کا اعلان بھی کیا۔

وہ آگے پڑھنے کو لے کر بہت خوش تھا۔ لیکن اس کے گھر کے حالات اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ ابا بیماری کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے تھے۔ ان سے کام نہیں ہوتا تھا۔ چندن سوچ رہا تھا کہ پڑھائی کے ساتھ وہ ایسا کیا کرے کہ گھر کا خرچ چل سکے۔ تبھی دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے گاؤں کے مکھیا اور اسلم صاحب کھڑے تھے۔ چندن نے جھک کر پیر چھوئے اور انھیں چارپائی پر بٹھایا۔ مکھیا دین دیال نے چندن کو بتایا ہمیں گرام سبھا کے کاموں کے لیے بھروسہ مند شخص کی تلاش ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم گرام سبھا میں گاؤں کی بہتری کے لیے کام کرو۔ چندن نے کہا میں تو ابھی پڑھ رہا ہوں، اسلم صاحب نے کہا بیٹا تم اپنی پڑھائی کے ساتھ کام کر سکتے ہو۔ اس سے تمھاری پڑھائی کا نقصان نہیں ہوگا اور خرچ کے لیے پیسے بھی مل جائیں گے۔

دین دیال ایک دن بہت پریشان تھے، چندن نے پریشانی کی وجہ پوچھی۔ انھوں نے بتایا کہ ساری کوشش کے بعد بھی فصل خراب ہو رہی ہے۔ کھیتی میں نقصان ہو رہا ہے۔ چندن ایگریکلچر سائنس کی پڑھائی کر رہا تھا۔ اس نے کھیت کی مٹی کی جانچ کرانے کو کہا۔ پھر اس نے اچھی

فصل کے لیے نئے بیج، کھاد کے استعمال اور کیڑے مکوڑوں سے فصل کو بچانے کے طریقوں کے بارے میں بتایا۔ اس کی صلاح کام آئی، دین دیال کی فصل اتنی اچھی ہوئی کہ گاؤں کے دوسرے کسانوں نے بھی اس کی تعریف کی۔ مکھیا نے گرام سبھا کے ساتھ چندن کو اپنے کھیتوں کی ذمے داری بھی سونپ دی۔

دین دیال کے کوئی بیٹا نہیں تھا، اس کی صرف ایک بیٹی تھی۔ وہ چندن کو بیٹے کی طرح سمجھنے لگا۔ ہر کام کے لیے وہ اس سے مشورہ کرتا تھا۔ مکھیا کا چندن کو اپنی بیٹی سے اس کی شادی کے لیے اس کی ماں کو منانا بھی یاد تھا۔ اماں نے کتنی مشکل سے اس رشتے کے لیے ہاں کی تھی۔ وہ اپنے اچھے وقت کو اماں، ابا کی دعاؤں اور اپنے ٹیچروں کی کوششوں کا نتیجہ مانتا ہے۔ وقت کتنی جلدی گزر جاتا ہے، چندن کو آج اس کا احساس ہو رہا تھا۔ اسے یہ سب کل کی باتیں لگ رہی تھیں۔ جبکہ وہ اب بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس کے انل اور اجے دو بیٹے تھے جن کو اچھی تعلیم دلائی تھی۔ ایک دن اس نے بچوں کو آزمانے کے بارے میں سوچا۔ وہ چاہتا تھا کہ سب کچھ بچوں کے حوالے کر کے باقی زندگی گاؤں کی بہتری کے کام میں لگائے۔

اس نے بیٹوں کو بلایا انھیں ایک ایک لاکھ روپے دیے۔ پیسے لے کر وہ حیرت اور خوشی سے چندن کو دیکھ رہے تھے۔ وہ کوئی سوال کرتے اس سے پہلے ہی چندن نے کہا مجھے جنت کی مٹی لا کر دو۔ اس کے لیے تمھارے پاس ایک ہفتے کا وقت ہے۔ انل نے پوچھا یہ کہاں ملے گی۔ چندن نے اس کی طرف دیکھا اور کہا یہ تلاش کرنا تمھارا کام ہے۔ چھوٹے بیٹے اجے کو یقین تھا کہ اس کے ابا نے کہا ہے تو وہ کہیں نہ کہیں ضرور ملے گی۔ دونوں نمستے کر کے چلے گئے۔ انل کی دوستی مالدار اور بڑے گھرانے کے بچوں سے تھی۔ وہ غریب، چھوٹے لوگوں سے ملنے اور بات کرنے کو اپنی بے عزتی سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے دوستوں سے معلوم کیا کہ جنت کی مٹی کہاں ملے گی۔ کسی کے پاس اس کے سوال کا جواب نہیں تھا۔ اس کے دوستوں نے کہا ایسی کوئی مٹی نہیں ہوتی۔ تیرے ابا نے بس یوں ہی کہہ دیا ہوگا۔ اس نے انٹرنیٹ پر سرچ کیا، آن لائن منگانے کی بھی کوشش کی لیکن اسے کوئی کامیابی نہیں ملی۔ اس کی کئی دن کی کوشش بیکار گئی۔ انل چاہتا تھا

کہ وہ اجے سے پہلے جنت کی مٹی ابا کو لا کر دے۔ اس نے اجے سے کوئی بات شیئر نہیں کی۔

اس کے برعکس اجے انل سے روز معلوم کرتا کہ بھیا کچھ معلوم ہوا یا نہیں۔ مگر وہ اسے یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ کچھ پتا لگے گا تو بتائے گا۔ اجے سب سے مل جل کر رہتا تھا۔ وہ امیر غریب میں فرق نہیں کرتا تھا۔ اسے ضرورت مندوں کی مدد کر کے خوشی ملتی تھی۔ امیر، غریب، چھوٹے، بڑے سب سے اس کی دوستی تھی۔ وہ بڑوں کی عزت کرتا اور چھوٹوں سے پیار سے باتیں کرتا تھا۔ اسے گاؤں میں سب پسند کرتے تھے۔ اجے کو بھٹکتے ہوئے کئی دن ہو گئے تھے۔ اچانک اسے اپنے بچپن کے ٹیچر گوپال جی کا خیال آیا۔ ان کے پڑھانے کا طریقہ دوسروں سے الگ تھا۔ وہ پڑھاتے ہوئے کوئی نہ کوئی کہانی سناتے تھے۔ اس سے سبق جلدی یاد ہو جاتا تھا۔ اجے نے سوچا گوپال جی سے جا کر پوچھتا ہوں شاید انھیں کچھ معلوم ہو۔ وہ تیز تیز قدموں سے ماسٹر صاحب کے گھر کی طرف چل پڑا۔ وہ ابھی کچھ ہی دور گیا تھا کہ کسی نے اسے آواز دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو ایک بوڑھا آدمی کھڑا تھا۔ وہ دیکھنے میں بھکاری نہیں لگ رہا تھا۔ بوڑھے نے اجے سے کہا بیٹا بھوک لگی ہے کھانا کھلا دو۔ اجے الجھن میں پڑ گیا، وہ جلد سے جلد ماسٹر صاحب کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن بوڑھے کو کھانا کھلائے بغیر جانا اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ بوڑھے کے پاس پہنچا تو بوڑھے نے اجے سے پوچھا بیٹا تم پریشان لگ رہے ہو، اتنی جلدی میں کہاں جا رہے تھے۔

اجے نے کہا میں کھانا لے کر آتا ہوں پھر بات کروں گا۔ تھوڑی دیر میں وہ واپس آیا، بوڑھا اس کے انتظار میں وہیں بیٹھا تھا۔ اس نے کھانا دیا تو بوڑھے نے پھر پوچھا بیٹا تمھاری پریشانی کیا ہے۔ اجے نے بتایا کہ اس کے ابا نے جنت کی مٹی لانے کو کہا ہے۔ لاکھ کوشش کے بعد بھی معلوم نہیں ہو رہا کہ یہ کہاں ملے گی۔ بوڑھے نے کھانا کھاتے ہوئے اس کی بات دھیان سے سنی۔ پھر دھیرے سے اس نے کچھ کہا جسے سن کر اجے کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

چندن نے دونوں بیٹوں کو بلایا اور پوچھا کیا وہ جنت کی مٹی لے آئے۔ بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ انل بول پڑا۔ ابا ایسی کوئی مٹی ہوتی ہی نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو میں ضرور لے آتا۔ چندن نے معلوم کیا پھر پیسے کہاں خرچ کیے۔ اس نے کہا میرے دوست الگ الگ گاڑیوں سے کالج آتے ہیں۔ میں سائیکل سے کالج جاتا ہوں اس لیے میں نے ان پیسوں سے بائک لے لی۔ یہی سوال چندن نے اپنے چھوٹے بیٹے سے پوچھا۔ اجے نے ایک لاکھ روپے ابا کے سامنے رکھ دیے۔ چندن نے معلوم کیا تم نے پیسے خرچ نہیں کیے، جنت کی مٹی کہاں ہے۔ اجے نے کہا اس کے لیے پیسے خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اماں ابا کے قدموں میں جنت ہے اور ان کے پیروں کے نیچے کی دھول ہی جنت کی مٹی ہے۔ یہ سن کر انل کی نظریں جھک گئیں، چندن نے اٹھ کر اجے کو گلے لگا لیا۔

■

Dr. Muzaffar Husain Ghazali
F-18/14 A, Abul Fazal Enclave, Part-II
Shaheen Bagh, Jamia Nagar
New Delhi - 110025
Mob.: 9810371907
drmhghazali@gmail.com

وہ بچہ میں ہوں

ایم اے کنول جعفری

اخلاقیات کی تعلیم دینے والے استاد کے کلاس میں داخل ہوتے ہی طلبا اپنی سیٹ پر کھڑے ہوئے اور السلام علیکم کی زوردار آواز سے ان کا استقبال کیا۔ چہرے پر خوشی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ کے ساتھ وعلیکم السلام کہتے اُنھوں نے طلبا سے اپنی سیٹ پر بیٹھنے کو کہا۔ رجسٹر میں حاضری لگانے کے لیے وہ طلبا کے نمبر بولنے لگے۔ ہر ایک طالب علم اپنا نمبر سنتے ہی اپنی جگہ کھڑا ہوکر 'حاضر جناب'، 'ہاں جی جناب' یا 'حاضر ہوں محترم' جیسے جملے ادا کرتے ہوئے اپنی حاضری لگوا رہا تھا۔ لیکن جب دلشاد کا نمبر بولا گیا، تب اس کی آواز حلق میں اَٹک کر رہ گئی۔

استاد نے پیار بھری نظروں سے اس کی جانب دیکھا اور مسکراتے ہوئے پوچھا، 'کیا بات ہے، دلشاد؟ تمھاری آواز کیوں نہیں نکل رہی ہے؟'

'جی جی! پتہ نہیں!! کیا ہوا؟ میں حاضر ہوں محترم۔' دلشاد نے جواب دیا۔

'اِدھر آؤ۔ میرے پاس آؤ۔' استاد نے پیار سے بلایا۔

'آیا محترم!' کہتے ہوئے دلشاد ان کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔

'کیا بات ہے؟ آپ اداس کیوں ہیں؟ ہمیں بتائیں کیا ہوا؟ گھر پر کسی نے کچھ کہا کیا؟ آپ ہمارے بیٹے کی طرح ہیں۔ صاف صاف بتائیں کیا بات ہے؟' استاد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

'کچھ نہیں! کچھ نہیں!! محترم، ایسی کوئی بات نہیں ہے!!!' دلشاد نے زمین کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

'نہیں دلشاد، بات تو ہے۔ بتاؤ' استاد نے پھر سوال کیا؟

'محترم! میں جب بستہ اُٹھا کر گھر سے اسکول کے لیے چلا، تب میں نے والدہ صاحبہ سے بطور جیب خرچ پانچ روپے کا مطالبہ کیا تھا۔ یہ بات والد صاحب نے سن لی اور مجھے زور سے ڈانٹ دیا۔ اس کے بعد میں خاموشی سے اسکول آ گیا، لیکن راستے بھر میں یہی سوچتا رہا کہ والد صاحب نے مجھے کیوں ڈانٹ پلائی؟ کیا چھوٹے بچے ہی پیار کے قابل ہوتے ہیں؟ پانچویں اور چھٹے درجے میں آتے آتے بچے ماں باپ کے پیار سے کیوں محروم ہونے لگتے ہیں؟ اُن کا احترام بھی نہیں کیا جاتا۔ کیا وہ احترام کے قابل نہیں ہوتے؟' کسی مفکر کی طرح دِل کی بات زبان سے ادا کرنے کے بعد دلشاد خاموش ہو گیا۔

'اچھا! تو یہ بات ہے۔ بس اتنی سی بات پر ناراض ہو گئے آپ!!' انھوں نے اُسے اپنے سینے سے لگایا اور پھر بڑی محبت کے ساتھ سیٹ پر جانے کو کہا۔

دلشاد اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا۔ استاد نے حاضری کا کام مکمل کیا۔ اس کے بعد درجہ میں بیٹھے طلبا کی جانب توجہ دیتے ہوئے انھوں نے کہا۔

'پیارے بچو! آپ بہت ذہین اور ہوش مند ہیں۔ اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں کا ادب و احترام کرتے ہیں۔ والدین اور اساتذہ کی عزت کرتے ہیں۔ فوراً اُن کا حکم بجا لاتے ہیں۔ اپنے سے چھوٹوں پر شفقت سے کام لیتے ہیں۔ بوقت ضرورت ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ راستے میں پڑی ہوئی تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دیتے ہیں۔ صاف ستھرا رہنا پسند کرتے ہیں۔ آپس میں لڑنا تو دور اونچی آواز میں بات بھی نہیں کرتے۔ اِس طرح کی اچھائیاں سب میں نہیں ہوتیں۔ گلی محلوں اور آس پاس ہی کئی بچے اِس طرح کے دیکھے جاتے ہیں، جنھیں کوئی پسند نہیں کرتا۔ نہ گھر کے افراد اُنھیں پسند کرتے ہیں اور نہ ہی محلے کے لوگ ان سے خوش نظر آتے ہیں۔ بڑوں کا ادب نہیں کرنے اور تعلیم سے جی چرانے والے ایسے بچے آگے چل کر نہ صرف بدکردار ہو جاتے ہیں، بلکہ خاندان کے لیے بھی بدنامی کا سبب بنتے ہیں اور ان کی عزت کو مٹی میں ملانے والے ثابت ہوتے ہیں۔

استاد نے ایک بار پھر کلاس پر نظر ڈالی۔ سبھی بچوں کو ہمہ تن گوش دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ کہا پیارے بچو! آج ہم 'بچے بھی احترام کے حقدار' موضوع پر بات کریں گے۔ آپ کو یہ جان کر اچھا لگے گا کہ میں جو کچھ بتانے جا رہا ہوں، وہ کوئی افسانہ یا کہانی نہیں، بلکہ حقیقت ہے۔ میں ایک والد اور اس کے بیٹے سے متعلق سچا واقعہ آپ کو سناتا ہوں۔

ایک لڑکا تھا آپ ہی کی عمر کا۔ والد کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ بات بات پر اسے ڈانٹا اور سرزنش کی جاتی تھی۔ کہا جاتا، اٹھنے بیٹھنے کا شعور نہیں ہے۔ چلنے پھرنے کا سلیقہ نہیں ہے۔ نہ ڈھنگ سے کھانا کھانا آتا ہے اور نہ طریقے سے پانی پینا۔ بستر پر لیٹنا اور سونا تو دور، کرسی پر بیٹھنا تک نہیں آتا۔ یہ کام غلط کیا، وہ کام ٹھیک نہیں کیا۔ ایسا نہیں کرنا تھا، ویسے نہیں بولنا تھا۔ بڑے اور چھوٹے کی تمیز نہیں ہے۔ نہ بڑوں کا ادب کرنا آتا ہے اور نہ ہی چھوٹوں پر شفقت کا علم ہے۔ اتنا بھی نہیں جانتے کہ کس سے کس طرح بات کی جاتی ہے۔ بے وقوف، نکما اور آلسی۔ پڑھائی لکھائی میں

پھسڈی تو ہے ہی، ویسے بھی کچھ نہیں آتا۔ ایسے بچے دُنیا میں کچھ نہیں کر سکتے۔

وہ لڑکا گھر والوں کے کام کاج میں ہاتھ بٹانا چاہتا، لیکن اُسے کسی کام میں شامل نہیں کیا جاتا۔ اگر وہ کسی کام کو انجام بھی دیتا، تو اس میں کیڑے نکال دیے جاتے۔ دوستوں کے سامنے اُس کی توہین کی جاتی۔ اپنی بے عزتی سے وہ احساس کمتری کا شکار ہو گیا۔ وہ خود کو بیکار اور دُنیا پر بوجھ سمجھنے لگا۔ اپنے بارے میں کوئی فیصلہ لینے میں ڈرنے لگا۔ خود پر سے اعتماد ختم سا ہو گیا۔ دوسروں کے سامنے بولنے سے گھبرانے لگا۔ والدین کسی کے برے نہیں ہوتے۔ اس کے بھی نہیں تھے۔ وہ اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس کی طبیعت خراب ہونے پر پریشان ہو جاتے تھے۔ پتہ نہیں کیسے ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ جن بچوں پر شروع سے تنبیہ کی جاتی ہے، وہ ٹھیک رہتے ہیں اور جنھیں تھوڑی چھوٹ دی جاتی ہے، وہ آگے چل کر خراب اور بدکردار ہو جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک ڈنڈا گرم رکھنے سے بچہ بگڑنے سے بچا رہتا ہے۔ سختی کے ساتھ اس کی زندگی سنوارنے کے چکر میں وہ یہ بھول گئے کہ کسی بچے کی توہین، تذلیل اور تضحیک کا سلسلہ اس کی شخصیت کو تباہ اور برباد کر سکتا ہے۔

بچہ بھی انسان ہے۔ ہر انسان کو اپنے آپ سے بہت محبت ہوتی ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ معاشرے میں اس کا بھی اسی طرح احترام کیا جائے، جس طرح وہ دوسروں کا احترام کرتا ہے۔ دوسروں کی قدردانی صرف انھیں کا حصہ نہیں ہے، اس کی اپنی قدر بھی ہونی چاہیے۔ بچے کی تربیت کے لیے اس کے وجود کو اہمیت دینا ضروری ہے۔ کئی لوگوں میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو کافی اہمیت دیتے ہیں۔ بچوں کے احترام سے ان کی تربیت ہوتی ہے اور وہ آگے چل کر نیک سیرت اور شریف بن جاتے ہیں۔

اس کے پڑوس میں رہنے والا شادان بھی اسی کی جماعت میں تھا۔ اس کے والدین اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ اسے اسکول کے لیے دروازے تک چھوڑنے آتے تھے اور چہرے پر مسکراہٹ لیے وداعی جملے کہتے تھے۔ ان کے منہ سے کبھی 'گڈ لک'، کبھی 'گڈ بائی' اور کبھی خدا حافظ کی آواز بلند ہوتی تھی۔

لڑکے کی والدہ اسکول کے لیے گھر سے نکلتے وقت اُس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتی اور چہرے پر مسکان لاتے ہوئے کہتی۔ بیٹا دل لگا کر پڑھنا۔ استادوں کا ادب کرنا۔ بڑے ساتھیوں کی عزت کرنا اور اپنے سے چھوٹوں کے ساتھ پیار و محبت سے پیش آنا۔

جی، امی جان! کہہ کر وہ گھر سے باہر آ جاتا، لیکن والد صاحب کے منہ سے پیار و محبت کا کوئی جملہ نہیں نکلتا۔

وہ حسب معمول ایک روز گھر سے اسکول کے لیے نکلا ہی تھا کہ اُسے دھیان آیا کہ سائنس کی کتاب میز پر ہی رہ گئی ہے۔ وہ فوراً پلٹا۔ دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ اندر سے والد صاحب کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہے تھے۔ 'یا اللہ میرے بیٹے کا خیال رکھنا۔ اس پر رحم کرنا۔ نیک راہ دکھانا۔ اُسے جھگڑے فساد سے بچانا۔ اس کے اندر محنت سے پڑھنے کی للک پیدا کرنا، تاکہ وہ کلاس میں اول آ سکے۔ میں اس سے بہت پیار کرتا ہوں۔ اللہ اُسے دنیا کی تمام خوشیاں دینا۔ میں چاہتا ہوں وہ پڑھ لکھ کر ٹیچر

کہانی

بنے اور دوسروں کو اچھی تعلیم دے کر ان کا مستقبل سنوارنے میں مددگار ثابت ہو۔' یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ بیٹے کو گھر میں آتا دیکھ کر وہ بولے، 'کیا ہوا بیٹا؟ کیوں لوٹ آئے؟ کچھ چاہیے تمھیں؟ جیسے سوالوں کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اپنے سینے سے چمٹا لیا۔'

'کچھ نہیں والد صاحب! میں اپنی سائنس کی کتاب بھول گیا تھا،اسے ہی لینے آیا ہوں۔'اس لڑکے نے جواب دیا۔

اب یہ بات اس لڑکے کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ اس کے والد اس سے بہت محبت کرتے ہیں۔وہ جو بھی کر رہے ہیں،اس کی بھلائی اور کامیابی کے لیے ہی کر رہے ہیں۔والدہ بھی آ گئیں۔اس نے خوشی سے دونوں کو سلام کیا اور گھر سے باہر نکل آیا۔

اتنا کہہ کر استاد خاموش ہوئے،تو بچوں نے پوچھا، 'پھر کیا ہوا ماسٹر صاحب؟'

اس بچے نے خوب محنت کی۔دل لگا کر پڑھائی کی۔ ٹیچروں کا ادب کیا۔ان کے ہر بات کو مانا۔اس سے سبھی محبت کرنے لگے۔وہ ہر سال کلاس میں اول آتا۔اس کے والد کی مراد پوری ہوئی۔بڑا ہو کر وہ ٹیچر بن گیا۔

جانتے ہو،وہ بچہ کون ہے؟

سب بچوں نے ایک ساتھ کہا،'نہیں!!!'

وہ بچہ کوئی اور نہیں! میں ہوں! آپ کا ٹیچر!

■

M.A. 'Kanwal' Jafri
127/2, Jama Masjid
Neendru, Tehsil Dhampur
District: Bijnor - 246761 (UP)
Mob.: 9917767622
Email:jafrikanwal785@gmail.com

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا/کی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.. بتاریخ...

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/145 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009

میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159, Email.: magazines@ncpul.in

دستخط

دی پاور آف ڈیجیٹل

سراج فاروقی

فروری کے ابتدائی دن تھے۔ ہلکی ہلکی خنکی اب بھی ہوا میں گھلی ہوئی تھی، مگر دھوپ کی نرم گرم چادر زمین پر ایسے بچھی تھی جیسے ماں کے ہاتھوں کا پیار۔ درختوں کی ٹہنیاں مدھم ہوا میں جھول رہی تھیں اور پتے سرسرا رہے تھے۔ آسمان پر بادل کہیں دور، ہلکے ہلکے تیر رہے تھے، جیسے کسی اور جہاں کی تلاش میں نکلے ہوں۔

ریلوے اسٹیشن پر زندگی اپنی پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ پلیٹ فارم پر ہاتھوں میں اسمارٹ فون تھامے مرد و خواتین، جلدی میں بھاگتے آفس کے ملازمین، کانوں میں ائیر پوڈز لگائے نوجوان، اور موبائل پر لوڈنگ پارسل ڈلیوری کے احکامات لیتے کوریئر بوائز نظر آ رہے تھے۔ اوور ہیڈ اسپیکرز سے اگلی ٹرین کی آمد کا اعلان گونج رہا تھا، اور ڈیجیٹل بورڈ پر مسلسل اپڈیٹ ہوتی معلومات چمک رہی تھیں۔ چائے، بریڈ، اِڈلی، کافی اور وڑا پاؤ کی خوشبو کے ساتھ ساتھ قلیوں کے بجائے ای-رکشہ اور سامان کھینچنے والے خود کار ٹرالی باکس نمایاں تھے۔

میں اسٹیشن کی چہل پہل سے بے نیاز، تیز قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک فہد دکھائی دیا۔ وہ جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس، کندھے پر بیگ لٹکائے، اسٹیشن کے ستون سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں موبائل فون تھا، وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا، پھر گرم جوشی سے بولا:

”ارے یار! تم یہاں؟“

ہم دونوں گرم جوشی سے ملے۔ سلام دعا کے بعد معلوم ہوا کہ وہ اپنی نانی کے گھر ’کھار گھر‘ جا رہا ہے۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا:

''آج شہر میں بچوں کے ادب پر ایک سمینار ہو رہا ہے، وہاں نہیں چلو گے......؟''

فہد کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ اس نے ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا:

''وہاں کیا جانا، بھائی! وہی پرانی دقیانوسی باتیں۔ یہ بزرگ لوگ نہ خود بدلتے ہیں اور نہ زمانے کو بدلنے دیتے ہیں۔ انھیں ہر نئی چیز سے چڑ ہے۔ بس، اپنا زمانہ ہی سنہرا لگتا ہے۔''

میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا:

''ہاں یار! پچھلے سمینار میں تو میرا دماغ چکرا گیا تھا۔ لیکن کیا کریں، اسلم مقالہ پڑھنے والا ہے۔ بڑے پیار سے بلایا ہے، اس لیے جا رہا ہوں۔''

فہد نے کچھ سوچا، پھر کندھا اچکاتے ہوئے بولا:

''چلو، دیکھتے ہیں، کیا ہوتا ہے؟ سنا ہے، اس بار کچھ نیا ہونے والا ہے۔''

میں نے تائید میں سر ہلایا۔

سمینار کا وقت ہو چکا تھا، لیکن ابھی تک آغاز نہیں ہوا تھا۔ ہال میں سرگوشیاں اور دبی دبی بحث جاری تھی۔ لوگ بے چینی سے پہلو بدل رہے تھے۔ فہد جھنجھلا کر بولا:

''دیکھا، اسی لیے آنے کا دل نہیں کرتا! اپنے یہاں سب سے بڑی کمی وقت کی پابندی نہ ہونا ہے۔ جو قوم وقت کی قدر نہیں کرتی، وہ ترقی نہیں کر سکتی۔''

اسی لمحے، ایک نوجوان ہمارے قریب آیا اور مسکراتے ہوئے بولا:

''اب ایسے لوگوں کی باتیں کیا سننا، جنھیں وقت کی قدر ہی نہ ہو.....؟''

فہد نے اس کی بات پر قہقہہ لگایا۔

آخر کار، سمینار تقریباً ایک گھنٹے کی تاخیر سے شروع ہوا۔ ہال میں نظر دوڑائی تو عجیب صورت حال نظر آئی۔ یہ پروگرام بچوں کے لیے تھا، مگر ہال میں انھیں پیچھے بٹھایا گیا تھا اور بزرگ آگے صف آرا تھے۔ فہد یہ دیکھ کر سلگ اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک ابھری، جیسے کوئی تیزاب میں کپڑا بھگو دے۔

''یہ ناانصافی ہے! پروگرام بچوں کے لیے ہے، تو انھیں سب سے آگے بٹھانا چاہیے تھا۔ بزرگ پیچھے بھی بیٹھتے تو ان کی عزت میں کوئی کمی نہیں آتی، بلکہ ان کا وقار اور بڑھ جاتا۔''

میں نے آہستہ سے کہا: ''تم سچ کہتے ہو، بھائی! مگر وہ نہیں سوچتے جو تم سوچتے ہو۔''

فہد نے غصے میں کہا: ''یہ سب شہرت کے بھوکے ہیں!''

مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں کسی نے سن تو نہیں لیا؟ دائیں بائیں نظریں دوڑائیں، تو اطمینان ہوا کہ سب پروفیسر کے مقالے میں مگن تھے۔ وہ پرانی قدروں پر دلکش الفاظ کی مالا پرو رہے تھے، اور سامعین ان کی باتوں کو عقیدت سے سن رہے تھے۔

فہد نے طنزیہ انداز میں کہا: ''سنو! ان کی باتیں۔ آج بھی وہی پرانی روایات کی رٹ لگا رکھی ہے۔ کیا تمھیں لگتا ہے کہ آج کے بچے ان روایات پر عمل کر کے، کل کے سماج میں زندہ رہ سکیں گے؟''

میں نے سنجیدگی سے جواب دیا: ''قطعی نہیں۔''

فہد بے زاری سے سرگوشی میں بولا: ''انتظامیہ نے

نہ جانے کہاں کہاں سے پرانے خیالات کے مقالہ نگاروں کو بلا لیے ہیں!''

پھر مقالہ نگاروں نے اپنے مقالے پڑھے۔ تقریباً سبھی مقالوں کا لبِ لباب یہی تھا کہ پرانی تہذیب اور روایات بہتر تھیں۔ وہ خطوں کے انتظار کی لذت، کتابوں کی خوشبو اور قدیم اقدار کی باتیں کر رہے تھے، اور جدید ٹیکنالوجی کو کوس رہے تھے۔

''اب سنو، ڈیجیٹل دنیا کے خلاف تقریریں شروع ہوں گی۔'' فہد نے پیش گوئی کی۔

اور واقعی، جیسے جیسے مقالے آگے بڑھتے گئے، موبائل اور انٹرنیٹ کو 'شیطان' قرار دیا جانے لگا۔

فہد نے آہستہ سے کہا:

''یہ سب محض الفاظ کا کھیل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈیجیٹل دنیا نے سب کچھ بدل دیا ہے۔ یہ ترقی کی علامت ہے، رکاوٹ نہیں.....!''

جب تمام مقالہ نگار اپنے مقالے پڑھ چکے، تو لنچ کا وقت ہو گیا۔ انتظامیہ نے ظہرانے کا اہتمام کیا تھا اور سب لوگ کھانے میں مشغول ہو گئے۔

دوسرا سیشن خاص بچوں کے لیے مختص تھا۔

ہال میں روشنی نرم تھی، لیکن جوش و خروش پورے عروج پر تھا۔ کمسن بچے اپنی کمزور مگر پرجوش آوازوں میں نظمیں اور تقاریر پیش کر رہے تھے۔ کچھ بچے جھجک کر مائک کے قریب آتے اور چند جملے بول کر لوٹ جاتے، تو کچھ بے تکلف ہو کر اپنی بات مکمل کرتے۔

فہد نے بھی دوستوں کے اصرار پر اپنا نام لکھوا دیا تھا۔

وہ خوش شکل، متحرک اور ذہین نوجوان تھا، جس کی آنکھوں میں ہمیشہ تجسس کی چمک رہتی تھی۔ وہ محفلوں میں عام طور پر ایک سنجیدہ سامع ہوتا، لیکن جب بولنے پر آتا تو الفاظ میں بلا کا جادو ہوتا۔

جب کئی بچوں کی ٹوٹی پھوٹی تقاریر مکمل ہو گئیں، تو منتظمین میں سے ایک نے بلند آواز میں پکارا:

''اور اب... فہد احمد...!''

ہال میں ہلچل مچ گئی۔ جاننے والے طلبہ و طالبات نے پرجوش تالیاں بجائیں۔

فہد ہلکی سی مسکراہٹ لیے، ہاتھ میں موبائل پکڑے شانِ بے نیازی سے اسٹیج کی طرف بڑھا، جیسے کوئی فاتح میدانِ جنگ میں داخل ہو رہا ہو۔

اس نے مائک کو اپنے قد کے مطابق درست کیا، ایک لمحے کو مجمع پر گہری نگاہ ڈالی، پھر سنجیدگی سے سلام کیا۔ اس کی آواز میں ایسا ٹھہراؤ تھا کہ جیسے پوری محفل یکایک اس کے الفاظ کی اسیر ہو گئی ہو۔

''معززین! ہمیں پچھلے زمانے کو یاد رکھنا چاہیے، لیکن اسے اتنا بھی نہیں کہ ہم اپنے مستقبل کو بھول جائیں...''

الفاظ سیدھے سامعین کے ذہنوں میں پیوست ہو رہے تھے۔

ہال میں موجود کئی افراد نے حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''یہ لڑکا مختلف ہے...!'' کسی نے دھیرے سے سرگوشی کی۔

منتظمین اور معزز مہمان، جو ابتدا میں یہ سوچ رہے تھے کہ فہد بھی عام بچوں کی طرح چند جملے کہہ کر خاموش ہو جائے گا، اب مکمل توجہ سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔

”ماضی کو لے کر زندہ رہا جا سکتا ہے، لیکن ماضی کے ساتھ زندہ نہیں رہا جا سکتا۔ جو لوگ ماضی کے حاجی ہیں، وہ بس ماضی کے ہیں، مستقبل کے نہیں...!“

مجمع ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ فہد کے الفاظ کمرے کی ہوا میں تیرنے لگے، سامعین کے ذہنوں میں گھر کرنے لگے۔

”ابھی ہمارے بزرگوں نے کہا کہ موبائل نقصان دہ ہے، سمِ قاتل ہے...!“

یہ جملہ سنتے ہی طلبہ و طالبات کے بیچ کھلکھلاہٹ دوڑ گئی۔ کچھ نے دبے ہونٹوں سے ہنسی روکی، مگر فہد کی گہری نظریں ان پر جم گئیں، اور وہ سب سنجیدہ ہو گئے۔

”دوستو اور معززین! میرے خیال سے بچوں کو موبائل دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، ضروری ہے کہ انھیں موبائل کے فوائد اور نقصانات کے بارے آگاہ کرنا تاکہ وہ موبائل کا استعمال صرف اور صرف مفید اور مثبت کاموں کے لیے ہی کریں۔

میں یہ بات بہت بھروسے کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ آنے والا دور ڈیجیٹل کا ہوگا۔ جو قوم اسے اپنائے گی، وہی آگے جائے گی۔“

فہد کے الفاظ دھڑکتے دلوں پر دستک دے رہے تھے۔

”بھول جایئے خط و کتابت کے دن، ریڈیو اور ٹی وی بھی پرانے ہو چکے ہیں۔ اب مت جھولیے ان جھولوں میں، جن کی رسیاں بوسیدہ ہو چکی ہیں........!“

طلبہ و طالبات ایک بار پھر قہقہے لگانے لگے، مگر فہد کی آنکھوں میں کچھ ایسا تھا کہ وہ سب جلد ہی سنجیدہ ہو گئے۔

”کچھ دن میں کتابیں چھپنا بھی بند ہو جائیں گی۔ درخت کم ہو رہے ہیں، جنگلات ختم ہو رہے ہیں۔ جب کاغذ بننا بند ہو جائے گا، تو کتابیں بھی چھپنا بند ہو جائیں گی۔“

بزرگوں کی محفل میں کھسر پھسر ہونے لگی۔ کچھ نے اپنے عینک درست کیے، کچھ نے گلے کے بٹن کھول دیے۔

”آپ کو یہ دور اچھا نہیں لگتا؟ کہ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں آپ اپنے عزیزوں کو دیکھ اور سن سکتے ہیں؟ گھر بیٹھے بینکنگ ہو رہی ہے؟ ہزاروں صفحات کی فائلس اور پیغامات ادھر سے ادھر ہو جاتے ہیں، خط و کتابت کا سلسلہ چلتا ہے، بھائی! ہر دور اپنے وقت میں خوبصورت اور سہانا ہوتا ہے۔“

سامعین دم بخود تھے۔

”جن کی آنکھیں بند ہوں، ان کے لیے روشنی اور اندھیرا دونوں برابر ہوتے ہیں...!“

مجمع پر سناٹا طاری ہو گیا۔

فہد نے ایک گہری سانس لی، اور ہال میں بیٹھے معززین کی طرف دیکھا۔

”ہمارے یہاں جب بھی کوئی نئی ایجاد آتی ہے، سب سے پہلے اس کی مخالفت ہوتی ہے...!“

اب ہال میں بے چینی محسوس ہونے لگی۔

”بچوں کو موبائل کے استعمال سے مت روکیے! انھیں بہتر طریقے سکھایئے۔ آنے والا وقت سو فیصد ڈیجیٹل کا ہوگا۔ جو سمجھ لے گا، وہ آگے جائے گا۔ جو نہیں سمجھے گا، وہ پیچھے رہ جائے گا اور بعد میں کفِ افسوس ملتے ہوئے یہی کہیں گے — کاش! کوئی سر سید آج سے سو سال پہلے پیدا ہوتا تو یہ قوم سورج پر پہنچ چکی ہوتی...!“

ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر ایک زور دار تالی بجی۔

پہلے ایک، پھر دوسری، اور پھر پوری محفل کھڑی ہو گئی۔ بزرگ، معززین، سب کے سب کھڑے ہو کر تالیاں بجا رہے تھے۔ طلبہ و طالبات فہد کے گرد جمع ہونے لگے۔

فہد نے مائک چھوڑا، ایک نظر ہال پر ڈالی اور مسکرا دیا۔

■

Siraj Farooqui
703-Wadghar,Near College Phaata,
Panvel-410206
Dist-Raigad,Navi Mumbai(Maharashtra)
Mob.:8108894969
E-mail:sirajf69@gmail

جواب

1	22 اکتوبر 1797	2	Citric Acid	3	کیکڑا	4	5 جون
5	گرین لینڈ	6	Cub	7	1930	8	12 مئی 2025
9	11 جولائی	10	Jeff Bezos	11	Siachen Glacier	12	J. K. Rowling
13	11	14	1912	15	مدراس	16	1962
17	سینٹرل بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن	18	5	19	وہائٹ بلڈ سیلس	20	چندر گپت موریہ

محمد کلیم اللہ ندوی

بادل نے کی بارش

اس دن بہت گرمی تھی، صبح ہونے کے باوجود سورج کی دھوپ کافی تیز تھی، دور ندی سے بادل کا ایک چھوٹا ٹکڑا اٹھا اور نیلے آسمان کی طرف اڑ چلا۔

اس نے دیکھا کہ نیچے کی زمین سوکھ چکی ہے، لوگ تیزی سے اِدھر اُدھر دوڑ رہے ہیں۔ کھیتوں میں جو کسان کام کررہے ہیں، ان کی حالت کافی خراب ہے۔ بادل کافی ہلکا ہوتا ہے، اسی لیے روئی کے گولے کی طرح کبھی یہاں تو کبھی وہاں اڑ رہا ہوتا ہے۔

پھر بھی وہ نیچے کی حالت دیکھ کر دکھی ہوگیا۔ اگر میں کسی طرح ان کی مدد کر پاتا، تو بہت اچھا ہوتا۔ اگر میں گرمی سے پریشان لوگوں کو تھوڑی ٹھنڈک یا ان کی پیاس بجھا پاتا تو کتنا اچھا ہوتا۔

پاس سے گزر رہی ہوا اس کا مرجھایا چہرہ دیکھ کر سب کچھ سمجھ گئی۔

''بادل بھیا'' ان انسانوں پر ترس مت کھاؤ۔ اپنی حالت کے لیے یہ لوگ خود ہی ذمے دار ہیں۔ ہوا نے دو ٹوک کہا تو بادل کا دھیان اس کی طرف گیا۔

یہ لوگ پیڑوں کو کاٹ رہے ہیں۔ ہوا میں زہریلی گیس گھول رہے ہیں۔ اوزون پرت میں سوراخ ہو رہا ہے، آب و ہوا کا توازن مسلسل بگڑ رہا ہے۔

ہوا کی باتیں سن کر بادل کو انسانوں پر تھوڑا غصہ آیا۔ وہ انسانوں کو اپنی حالت پر چھوڑ کر پہاڑوں کی طرف اڑ چلا۔ جیسے جیسے دن چڑھتا گیا۔ بادل کا سائز بھی بڑھنے لگا، لیکن گرمی بھی بڑھتی گئی۔ گرمی اتنی بڑھ گئی کہ زیادہ

دھوپ میں رہنے سے لوگوں کی طبیعت بگڑنے لگی۔

کئی لوگوں نے سڑکوں پر نکلنا بند کر دیا، لیکن جنھیں کام کے لیے نکلنا تھا، وہ مجبوری میں باہر نکلے، کچھ لوگ آسمان کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہے تھے۔ بادل کا چھوٹا سا ٹکڑا اڑتے دیکھ انھیں کچھ آس بندھی تھی۔ امید کی کرن نظر آئی تھی۔ لیکن اِدھر سے اُدھر بھٹکتے دیکھ کر وہ مایوس ہو گئے اور پریشان حال ہو گئے۔

''چلو ہم آنکھ مچولی کھیلتے ہیں'' بادل کو حیران دیکھ کر ہوا نے اس سے کہا۔

بادل نے اَن منے ڈھنگ سے اس کے ساتھ کھیلنا شروع کیا، لیکن کچھ ہی دیر میں وہ اکتا گیا۔

اصل میں اسے پھر سے انسانوں کی حالت پر ترس آنے لگا تھا۔ بادل اب پہاڑ کے کافی نزدیک پہنچ چکا تھا۔ اس کا سائز بھی بڑا ہو چکا تھا۔ کافی سیر کرنے کی وجہ سے وہ تھک چکا تھا۔ آس پاس کے بادل کے چھوٹے ٹکڑے بھی اس کے ساتھ جڑ گئے تھے۔

پہلے سفید رنگ کا بادل اب کالا سا ہو چکا تھا۔

''کہاں کھو گئے ہو، بادل بھائی؟'' پہاڑ نے اس کا راستہ روکتے ہوئے پوچھا ''سب کچھ ٹھیک ہے نا؟''

''ہاں'' بادل نے جواب تو دیا لیکن پہاڑ سے اس کی پریشانی چھپی نہیں رہی۔

پہاڑ نے کہا ''تم کافی تھک گئے ہو۔ اتنا بھاری بدن لے کر تم کتنی دور جاؤ گے، تھوڑا آرام کرلو''

بادل کو یہ آئیڈیا اچھا لگا۔ اتنے میں ایک اور بادل کا بڑا سا ٹکڑا اس کے پاس آیا اور اس کے ساتھ ہو گیا۔

دونوں کے ملتے ہی بجلی چمکنے لگی۔ بادل بھی گرجنے لگا۔ وہ اتنا کالا ہو چکا تھا کہ اب وہ اپنے اندر بھرے پانی کے مقدار کا وزن نہیں اٹھا پا رہا تھا، اتنے میں بادل بارش کی بوند بن کر نیچے گرنے لگے۔

''ٹپ، ٹپ، ٹپ'' اچانک گرم دھرتی پر بارش کی بوند پڑی تو ایک اچھی خوشبو مہک اٹھی، پھر تیز بارش ہونے لگی۔ بیچ بیچ میں بجلی چمکنے لگی، بادل گرجنے لگے، دھرتی پر پانی کو ترس رہے پیڑ پودوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سب جھومنے لگے۔ ندی اور تالاب میں پانی بھرنے لگا۔ گرمی سے راحت مل گئی۔

بادل یہ دیکھ کر کافی خوش ہو گیا۔ اس کا سائز بھی چھوٹا ہونے لگا تھا۔ جب وہ کافی ہلکا ہو گیا اور وہاں سے اڑا تو پہاڑ کی چوٹیوں کے پاس ایک خوبصورت سا قوس قزح بن چکا تھا۔

یہ سب دیکھ کر بادل کا من ہلکا ہو گیا۔ وہ آسمان میں کافی اونچائی پر جا کر سو گیا۔

بچو! بارش اللہ کی رحمت ہے۔ بارش ہونے کی وجہ سے لوگ باگ خوشی سے جھوم اٹھے، پیڑ پودے ہرے بھرے ہو گئے، فصل لہلہا اٹھی، مردہ زمین میں جان پڑ گئی۔ جب بھی بارش ہو تو یہ دعا پڑھنا چاہیے ''اے اللہ اس بارش کو نفع بخش بنا۔''

■

Md Kalimullah Azad Nadwi
Teacher USS Gondaram
Sonbarsa Saharsa
At+Po.: Bhelaht
PS Mahesh, Distt: Saharsa - 852216 (Bihar)
Mob.: 6201819741

بلیکی کی بہادری

نغمہ تبسم

شہر سے تھوڑی دوری پر ایک چھوٹے سے گاؤں میں رمیش نام کا ایک کسان رہتا تھا۔ وہ گاؤں کے ایک زمیندار کی زمین پر کھیتی کرتا تھا اور بیج بونے سے لے کر فصل کی کٹائی تک ہر کام خود انجام دیتا تھا۔ اس کے پاس دو بکریاں اور کچھ مرغیاں تھیں۔ ان میں ایک مرغی نہایت صحت مند، چمکدار اور خوبصورت تھی، جس کا رنگ سنہری ہونے کی وجہ سے رمیش اُسے 'سنہری' کہتا تھا۔ باقی مرغیوں سے الگ ہونے کی وجہ سے پورے گاؤں میں اس کی خوبصورتی کا چرچا تھا۔ جب بھی کوئی اس گاؤں سے گزرتا تو اس کو دیکھنے ضرور آتا تھا۔ رمیش کھیت جاتے وقت اپنی بکریوں کو ساتھ لے جاتا اور وہیں کھیت کے قریب ان کو چرنے کے لیے چھوڑ دیتا تھا اور واپسی پر اپنے ساتھ لیتے آتا۔

کچھ وقت کے بعد سنہری نے سات انڈے دیے اور ان پر بیٹھ گئی۔ وہ ان انڈوں پر مسلسل بیٹھی رہتی اور اپنے انڈوں کا بہت خیال رکھتی، دن میں صرف کچھ دیر کے لیے کھانے اور پانی کے لیے اٹھتی۔ اکیس دنوں کے بعد چھ انڈوں میں سے خوبصورت اور چنچل چوزے نکلے، لیکن ایک انڈا ابھی بھی ویسا ہی پڑا رہا۔ اگلے دن اچانک اس انڈے میں حرکت ہوئی اور اس میں سے ایک کالا مگر پیارا سا چوزا نکلا۔ رمیش نے اسے 'بلیکی' کا نام دیا۔ بلیکی، باقی چوزوں سے رنگ میں مختلف تھا، جس کی وجہ سے وہ اکثر سب کی ہنسی کا نشانہ بنتا تھا۔ ایک دن جب وہ چوزوں کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کر رہا تھا تو ایک چوزے نے کہا:

''تم ہمارے ساتھ نہیں کھیل سکتے، تم کتنے بھدّے لگتے ہو۔ ہم تم جیسے نہیں ہیں۔''

مایوس ہو کر بلیکی جھاڑی کے پاس جا بیٹھا اور چوزوں کو کھیلتے دیکھنے لگا۔

روز کی طرح آج بھی رمیش صبح کو اپنی بکریوں کے ساتھ کھیت کی طرف چل دیا اور مرغی اپنے بچوں کے ساتھ دانہ چگنے لگی۔ جب دوپہر کا وقت ہوا تو مرغی اپنے چوزوں کو کھیلتا ہوا چھوڑ کر ایک جگہ بیٹھ گئی اور اس کی آنکھ لگ گئی۔ گاؤں کے دوسری طرف راجو نام کا ایک بدمعاش رہتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ سنہری سو رہی ہے اور اس کے چوزے کھیل رہے ہیں تو اس کے شیطانی دماغ میں ایک خرافات سوجھی۔ اس نے چوزوں کو دانا کا لالچ دے کر انھیں اپنی ماں سے دور کر دیا اور موقع پاتے ہی ان سبھی کو تھیلے میں بھر کر تیزی سے بھاگنے لگا۔ مرغی ان کی چوں چوں کی آواز نہ سن سکی، لیکن بلیکی جو جھاڑی کے پاس اداس بیٹھا باقی چوزوں کو کھیلتے دیکھ رہا تھا وہاں سے اٹھا اور سب کی نظروں سے بچتے ہوئے راجو کا پیچھا کرنے لگا۔ چھوٹا بلیکی اس کا پیچھا کرتے کرتے تھک گیا، لیکن اس نے ہار نہیں مانی اور وہ مسلسل راجو کا پیچھا کرتا رہا۔ راجو چوزوں کو گاؤں سے باہر ایک ٹوٹی

جھونپڑی میں لے گیا، جہاں اس کا ایک ساتھی ہریا بیٹھا راجو کا انتظار کر رہا تھا۔ ہریا کے پاس پہنچتے ہی راجو بولا:

''ہریا دیکھ آج بڑا مال ہاتھ لگا ہے۔''

''ارے! یہ تو اسی سنہری مرغی کے بچے ہیں۔'' ہریا چونک کر بولا۔

''ہاں ہاں اسی کے ہیں۔ میں بہت دنوں سے موقعے کی تلاش میں تھا۔ سنہری کو چرانے کی، وہ بہت تیز تھی کبھی میرے ہاتھ نہ آئی لیکن آج اس کے بچے ہاتھ لگ گئے، اب انھیں بیچ کر اچھی رقم حاصل کروں گا۔''

راجو یہ کہتے ہوئے اُن چوزوں کو تھیلے سے نکال کر ایک ٹوکری کے نیچے چھپا دیا اور بولا:

''چل ہریا آج کا کام ہوگیا۔ کل صبح انھیں لے کر بازار چلیں گے۔''

بلیکی جو راجو کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا، وہیں کونے میں دبک کر اُن کی باتیں سننے لگا تھا۔ ان دونوں کے وہاں سے جاتے ہی بلیکی ٹوکری کے پاس پہنچا اور چوزوں سے بولا۔

''تم سب گھبراؤ نہیں، میں تمھیں یہاں سے نکال لوں گا۔''

''تم بھلا ہم سب کو کیسے نکال پاؤ گے؟ تم بھی تو ہماری طرح چھوٹے ہو۔'' ان میں سے ایک چوزے نے سوالیہ انداز میں بولا۔

''تم سب ہمت رکھو، سب ٹھیک ہو جائے گا اور ہم سب پھر سے ماں کے پاس چلے جائیں گے۔'' یہ کہہ کر بلیکی باہر آیا اور اپنے ساتھیوں کو وہاں سے نکالنے کی ترکیب سوچنے لگا۔ جب اسے کوئی راستہ سمجھ میں نہ آیا تو وہ آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر بولا ''میں بہت چھوٹا ہوں میری اور میرے ساتھی چوزوں کی مدد کرو، ورنہ یہ لوگ انھیں کہیں بیچ دیں گے۔''

پیڑ کی شاخ پر ایک کبوتر بیٹھا اُس کی فریاد سن رہا تھا۔ فوراً نیچے آیا اور بولا۔

''کیا بات ہے چھوٹے میاں! تم پریشان کیوں ہو اور تم یہاں کیسے آ گئے؟''

بلیکی کو ایک امید نظر آئی اور اس نے کبوتر سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ کبوتر نے اس کی باتیں سن کر کہا۔

''تم بہت ہمت والے ہو اور سمجھدار بھی، لیکن اب شام ہونے کو ہے مجھے اپنے گھر جانا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ صبح تمھاری مدد ضرور کروں گا۔'' یہ کہہ کر کبوتر واپس پیڑ پر جا کر بیٹھ گیا اور بلیکی باقی چوزوں کے پاس گیا اور ٹوکری کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔

ادھر جب سنہری نیند سے جاگی تو اپنے بچوں کو نہ پا کر تڑپنے لگی۔ وہ اِدھر اُدھر بھاگتی اور چلاتی رہی۔ شام کو رمیش جب کھیت سے لوٹا تو سنہری کی چیخیں سن کر پریشان ہو گیا۔ اسے چوزوں کی گمشدگی کا احساس ہو گیا۔ اس نے سنہری کو دلاسہ دیا اور دعا کرنے لگا کہ چوزے صحیح سلامت واپس آ جائیں۔ اس کے بعد رمیش گھر کے باہر بیٹھ گیا اور سنہری بھی اس کے قدموں میں جا کر بیٹھ گئی۔ شام دھیرے دھیرے رات میں تبدیل ہوگئی، اندھیرا پوری طرح چھا گیا اور ہر طرف سناٹا پھیل گیا۔

اگلی صبح، جیسے ہی سورج نے کرنیں بکھیرنا شروع کیا کبوتر اپنے وعدے کے مطابق آیا اور بلیکی سے بولا:

''لگتا ہے تم رات سوئے نہیں چھوٹے میاں۔''

''جی، ایسی حالت میں نیند کہاں آئے گی۔'' بلیکی

نے جواب دیا۔ پھر گذارش کرتے ہوئے کبوتر سے بولا:

''کبوتر انکل آپ جلدی سے میرے ساتھیوں کو یہاں سے باہر نکالیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ آجائیں اور اپنے برے ارادے میں کامیاب ہو جائیں۔''

''تم پریشان نہ ہو بچّے میں بہت وقت سے اس پیڑ پر رہ رہا ہوں مجھے معلوم ہے وہ کب آئیں گے؟ ان کے آنے سے پہلے تم سب آزاد ہو جاؤ گے۔'' کبوتر نے بلیکی کو بھروسہ دلایا۔

پھر جب جھونپڑی کی ٹوٹی ہوئی چھت سے کبوتر اندر داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ جس ٹوکری کے نیچے چوزے بند ہیں، وہ کافی بڑی اور بھاری ہے۔ کبوتر نے بلیکی کو وہیں رکنے کے لیے کہہ کر باہر گیا اور اپنے کچھ کبوتر ساتھی کو بلا کر لے آیا۔ پھر سبھی نے مل کر ٹوکری کو نیچے سے اٹھا کر دوسری طرف پلٹ دیا۔ بلیکی فوراً ان کے پاس گیا اور سب کو لے کر باہر آ گیا۔ پھر کبوتر نے نرم لہجے میں پوچھا۔

''کیا تمھیں اپنے گھر کا راستہ معلوم ہے؟''

سبھی چوزوں نے مایوسی سے اپنا سر نہیں میں ہلایا۔

پھر کبوتر بولا:

''تم لوگوں کو پریشان ہونے کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے، تمھاری ماں سنہری کے چرچے صرف گاؤں میں ہی نہیں بلکہ ہر طرف ہیں۔ کئی بار میرا بھی گزر تم لوگوں گھر کے پاس سے ہوا ہے۔ چلو میں تم سب کو تمھارے گھر تک پہنچا دیتا ہوں۔'' یہ کہہ کر کبوتر اوپر اُڑتا گیا اور سارے چوزے اُس کی پرچھائی کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے اپنے گھر تک پہنچ گئے۔

یہاں رمیش اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر چوزوں کے غائب ہو جانے پر ماتم منا رہا تھا۔ مرغی بھی رمیش کے پیر کے پاس اُداس بیٹھی تھی۔ اچانک اسے چوزوں کی آواز سنائی دی تو وہ فوراً اٹھ کر دیکھنے لگی۔ وہ دیکھتی ہے کہ اُس کے بچّے دوڑتے ہوئے اُس کی طرف آ رہے ہیں۔ وہ دوڑتی ہوئی چوزوں کی طرف بڑھنے لگی۔ رمیش بھی چوزوں کو آتا ہوا دیکھ کر خوش ہو گیا اور اس کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے بھر گئیں۔ وہ سارے چوزوں اور مرغی کو اپنی گود میں اٹھا کر چمکارنے لگا۔ سنہری کے پوچھنے پر بلیکی نے سارا حال اپنی ماں کو کہہ سنایا اور کبوتر جو اڑتے ہوئے رمیش کے گھر کی چھت پر آ کر بیٹھ گیا تھا، اُس کی طرف اشارہ کر دیا۔ مرغی کبوتر کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتی ہے اور رمیش بلا کسی تاخیر کے مرغی اور اُس کے چوزوں کو کھانے کے لیے دانا اور پانی دیتا ہے اور سبھی کو ایک ساتھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔

اس دن کے بعد سے بلیکی سب کی نظروں میں ہیرو بن گیا تھا۔ اس کا کالا بھدا رنگ اب سب کو بلیک گلاب کے مانند نظر آنے لگا تھا۔ اس کی بہادری نے سب کا دل جیت لیا تھا۔ سبھی چوزوں نے مل کر اس کی بہادری کی تعریف کی۔ وہی بلیکی جو کل تک تنہا کھیلتا تھا، آج سب کا رہنما بن گیا تھا اور سبھی چوزے اس کی رہنمائی میں کھیلنے لگے۔ اگلی صبح نہ صرف ایک نئے دن کا آغاز ہوا بلکہ سنہری اور اس کے بچوں کی ایک نئی زندگی کا بھی آغاز ہوا۔

■

Naghma Tabassum
Chasapatti Main Road, Rahmat Nagar
Barnpur, Paschim Bardhaman
Aasansol-713325 (West Bengal)
Mob.: 7430867481
shahaanarfin2015@gmail.com

عفیفہ کونین رازق شیخ

سچا دوست

ایک گاؤں میں دو سہیلیاں رہتی تھیں۔ ان کی دوستی پورے گاؤں میں مشہور تھی۔ ایک سہیلی کا نام رابعہ تھا، جو بڑی معصوم اور شریف مزاج لڑکی تھی، جب کہ دوسری سہیلی عرشی نٹ کھٹ اور چنچل طبیعت کی مالک تھی۔ ایک دن دونوں سہیلیاں اسکول جا رہی تھیں۔ راستے میں چلتے چلتے عرشی کی نظر ایک آم کے پیڑ پر پڑی۔ آم دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے رابعہ سے کہا، ”چلو، اس باغ سے کچھ آم توڑ لائیں۔“ رابعہ نے سمجھاتے ہوئے کہا، ”عرشی، بغیر اجازت کسی کے باغ میں جانا ٹھیک نہیں۔“ مگر عرشی نے ہنستے ہوئے جواب دیا، ”رابعہ، تم تو ہو ہی بزدل! تم یہیں رکو، میں ابھی جا کر آم توڑ لاتی ہوں۔“ رابعہ کے بار بار منع کرنے کے باوجود عرشی نہ مانی اور باغ میں چلی گئی۔ آم کے پیڑ کی چھاؤں میں باغ کا مالی آرام کر رہا تھا۔ عرشی چپکے سے پیڑ پر چڑھ گئی۔ اس نے ایک آم توڑا اور جیسے ہی دوسرا آم توڑنے لگی، مالی جاگ گیا۔ اس نے عرشی کو دیکھ کر غصے سے کہا، ”اے لڑکی! تیری ہمت کیسے ہوئی میرے پیڑ پر چڑھنے کی؟“ ادھر رابعہ کو باغ سے چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ فوراً دوڑ کر باغ میں پہنچی۔ رابعہ نے مالی سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی اور کہا، ”عرشی سے غلطی ہو گئی، وہ معصوم ہے۔ اگر کوئی سزا

دینی ہے تو مجھے دے دیں، لیکن عرشی کو معاف کر دیں۔‘‘ یہ سن کر عرشی کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ اس نے رابعہ کو گلے لگاتے ہوئے کہا،’’رابعہ، میں نے ضرور کوئی اچھا کام کیا ہوگا، تبھی مجھے تیری جیسی سچی سہیلی ملی۔‘‘ مالی یہ سب خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ دونوں سہیلیوں کے درمیان ایسی محبت اور قربانی دیکھ کر اسے اپنے دوست کی یاد آ گئی۔ اس کا دل پسیج گیا۔ اس نے نہ صرف عرشی کو معاف کیا بلکہ دونوں سہیلیوں کو ڈھیر سارے آم بھی دیے۔ دونوں سہیلیاں خوشی خوشی آم کھاتی ہوئی اسکول کی طرف روانہ ہوگئیں۔

رابعہ اور عرشی، آم کھاتے کھاتے اسکول پہنچیں۔ اسکول میں ان کا دن ہنسی خوشی گزرا، لیکن عرشی کے دل میں ابھی بھی مالی کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی شرمندگی باقی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے رابعہ کو بھی اپنی شرارت کی وجہ سے مشکل میں ڈال دیا تھا۔ اسکول سے واپسی کے وقت، جب دونوں سہیلیاں گاؤں کے راستے پر چل رہی تھیں، عرشی خاموش تھی جو کہ اس کی فطرت کے بالکل خلاف تھا۔ رابعہ نے اس کی خاموشی بھانپ لی اور پوچھا،’’عرشی، کیا بات ہے؟ تم تو ہر وقت باتیں کرتی ہو، آج کیا ہو گیا؟‘‘ عرشی نے ایک گہری سانس لی اور کہا، ’’رابعہ، میں سوچ رہی ہوں کہ میری شرارت کی وجہ سے آج ہم دونوں مشکل میں پڑ سکتے تھے۔ تم نے میری خاطر مالی سے معافی مانگی، لیکن میں نے تو کچھ کیا ہی نہیں اس کی تلافی کے لیے۔‘‘ رابعہ مسکرائی اور بولی،’’عرشی، دوست ایک دوسرے کے لیے یہی تو کرتے ہیں۔ تم دل سے اچھی ہو، بس تھوڑی شرارتی ہو۔‘‘ لیکن عرشی مطمئن نہ ہوئی۔ اس نے کہا،’’نہیں رابعہ، میں چاہتی ہوں کہ ہم مالی سے جا کر معافی مانگیں اور اس کی کوئی مدد کریں۔‘‘

دونوں سہیلیاں اسی وقت باغ کی طرف چل پڑیں۔ جب وہ باغ پہنچیں تو مالی اپنے پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ اس کا چہرہ تھکاوٹ سے بوجھل تھا۔ عرشی نے ہمت کر کے آگے بڑھ کر کہا،’’چاچا جی، مجھ سے آج صبح بڑی غلطی ہوئی۔ میں دل سے آپ سے معافی مانگتی ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم آپ کی کوئی مدد کرنا چاہتے ہیں۔‘‘ مالی نے پہلے تو حیرت سے دونوں کو دیکھا، پھر اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بولا،’’بیٹیاں، تمھارا دل صاف ہے۔ میں نے تمھیں صبح ہی معاف کر دیا تھا۔ لیکن اگر تم واقعی مدد کرنا چاہتی ہو تو کل صبح آ جانا۔ میرے باغ میں کچھ پودے لگانے ہیں، اور میری کمر میں درد کی وجہ سے یہ کام مشکل ہو رہا ہے۔‘‘ اگلے دن صبح سویرے رابعہ اور عرشی باغ پہنچ گئیں۔ دونوں نے مالی کے ساتھ مل کر پودے لگائے، زمین کھودی اور پانی دیا۔ عرشی اپنی شرارتوں سے مالی کو ہنسانے کی کوشش کرتی، جب کہ رابعہ خاموشی سے محنت کرتی رہی۔ دن کے اختتام تک مالی کا باغ نئے پودوں سے سج چکا تھا۔ مالی نے خوش ہو کر دونوں کو ایک ٹوکری بھر کر پھل دیے اور کہا،’’تم دونوں نے آج میرا دل جیت لیا۔ تمھاری دوستی کو دیکھ کر مجھے اپنا بچپن یاد آ گیا جب میں بھی اپنے دوستوں کے ساتھ ایسے ہی ہنستا کھیلتا تھا۔‘‘ رابعہ اور عرشی خوشی سے گھر لوٹیں۔ راستے میں عرشی نے رابعہ سے کہا،’’تم ٹھیک کہتی ہو، دوست ایک دوسرے کے لیے ہر مشکل آسان کر دیتے ہیں۔ آج مجھے ایک بات سمجھ میں آ گئی کہ اچھا کام کرنا دل کو سکون دیتا ہے۔‘‘

رابعہ اور عرشی کی دوستی گاؤں کی ایک داستان بن

چکی تھی۔ مالی کے باغ میں مدد کرنے کے بعد عرشی کی شرارتیں کچھ کم ہوئیں، اور وہ رابعہ کے ساتھ مل کر گاؤں والوں کی چھوٹی موٹی مدد کرنے لگی۔ لیکن ایک دن، ان کی زندگی میں ایک ایسا موڑ آیا جس نے ان کی دوستی کو نہ صرف گاؤں بلکہ پورے ضلع میں مشہور کر دیا۔ ایک صبح، جب دونوں سہیلیاں اسکول سے واپس آ رہی تھیں، انھوں نے دیکھا کہ گاؤں کے قریب بہنے والی ندی کا پانی غیر معمولی طور پر گندہ اور بدبودار ہو گیا تھا۔ گاؤں کے کئی لوگ ندی کے کنارے کھڑے اس کی وجہ جاننے کی کوشش کر رہے تھے۔ رابعہ نے عرشی سے کہا، ''یہ ندی تو ہمارے گاؤں کی زندگی ہے۔ اس کا پانی تو ہم سب پیتے ہیں، کھیت سیراب ہوتے ہیں۔ اسے اس حال میں نہیں چھوڑا جا سکتا۔'' عرشی، جو اب اپنی شرارتوں سے زیادہ اچھے کاموں میں دلچسپی لینے لگی تھی، اس نے کہا، ''رابعہ، ہم ضرور کچھ کریں گے۔ لیکن پہلے ہمیں پتا کرنا ہوگا کہ پانی گندا کیوں ہو رہا ہے۔'' دونوں سہیلیوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ندی کے کنارے کنارے چل کر اس کی وجہ معلوم کریں گی۔ کئی گھنٹوں کی محنت کے بعد، انھیں ندی کے دائیں جانب پہاڑی پر ایک فیکٹری نظر آئی، جہاں سے گندہ پانی ندی میں بہایا جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر عرشی غصے سے بولی، ''یہ لوگ ہماری ندی کو کیوں خراب کر رہے ہیں؟ ہمیں اسے روکنا ہوگا!'' رابعہ نے اسے اپنے غصے پر قابو رکھنے کے

لیے کہا، ''غصے سے کام نہیں چلے گا۔ ہمیں گاؤں والوں کو اکٹھا کرنا ہوگا اور فیکٹری والوں سے بات کرنی ہوگی۔''
دونوں سہیلیوں نے گاؤں واپس جا کر پنچایت کے سرپنچ اور دیگر لوگوں کو صورت حال بتائی۔ رابعہ کی معصوم باتوں اور عرشی کے جوش نے سب کو متاثر کیا۔ گاؤں والوں نے فیصلہ کیا کہ وہ فیکٹری کے مالک سے مل کر اسے پانی آلودہ کرنے سے روکیں گے۔ رابعہ اور عرشی نے گاؤں کے بچوں کے ساتھ مل کر ایک چھوٹا سا جلوس نکالا، جس میں وہ ندی کی صفائی کے نعرے لگاتے ہوئے فیکٹری تک پہنچے۔ ان کے ہاتھوں میں پوسٹر تھے جن پر لکھا تھا: ''ہماری ندی کو بچاؤ!'' اور ''صاف پانی، ہمارا حق!'' فیکٹری کے مالک نے پہلے تو ان کی بات کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی، لیکن گاؤں والوں کے اتحاد اور بچوں کے جذبے کو دیکھ کر وہ بات کرنے پر راضی ہو گیا۔ رابعہ نے نرمی سے لیکن پر اعتماد انداز میں کہا، ''ہم سب اس ندی پر انحصار کرتے ہیں۔ آپ کا کاروبار چلتا رہے، لیکن براہ کرم اسے صاف رکھنے میں ہماری مدد کریں۔'' عرشی نے مزید کہا، ''ہم چھوٹے ہیں، لیکن ہم اپنے گاؤں کے لیے بڑا کام کر سکتے ہیں!'' ان کی باتوں سے متاثر ہو کر فیکٹری کے مالک نے نہ صرف گندا پانی بہانا بند کیا بلکہ ایک واٹر ٹریٹمنٹ پلانٹ لگانے کا وعدہ بھی کیا۔ گاؤں والوں نے رابعہ اور عرشی کی قیادت میں ندی کی صفائی کے لیے ایک مہم شروع کی۔ ہر ہفتے گاؤں کے لوگ اور بچے مل کر ندی کے کناروں سے کچرا ہٹاتے اور نئے پودے لگاتے۔ چند مہینوں میں ندی کا پانی دوبارہ صاف اور شفاف ہو گیا۔ اس مہم کی خبر ضلع کے اخبارات میں پھیل گئی۔ ضلع کے کلکٹر، جو ماحولیاتی تحفظ کے حامی تھے، انھوں نے آسی گاؤں کا دورہ کیا اور رابعہ اور عرشی کی کاوشوں کو سراہا۔ انھوں نے اعلان کیا کہ دونوں سہیلیوں کو 'یوتھ انوائرنمنٹل ایوارڈ' سے 26 جنوری کو نوازا جائے گا۔ ایوارڈ کی تقریب میں، جب رابعہ اور عرشی اسٹیج پر ایوارڈ لینے گئیں، پورا مجمع تالیوں سے گونج اٹھا۔ ایوارڈ لیتے ہوئے رابعہ نے کہا، ''یہ ایوارڈ ہم دونوں کا نہیں، ہمارے گاؤں کے ہر اس شخص کا ہے جس نے ہمارا ساتھ دیا۔'' عرشی نے مسکراتے ہوئے مزید کہا، ''اور یہ ایوارڈ ہماری دوستی کا بھی ہے، کیونکہ اگر رابعہ نہ ہوتی تو میں شرارتیں ہی کرتی رہتی!''

رابعہ اور عرشی کی کامیابی نے گاؤں کے بچوں میں ایک نئی امنگ جگائی۔ انھوں نے مل کر ایک 'ندی بچاؤ کلب' بنایا، جو پورے ضلع میں ماحولیاتی بیداری پھیلانے لگا۔ ایک دن، جب وہ ندی کنارے پودے لگا رہی تھیں، عرشی نے رابعہ سے کہا، ''ہماری دوستی نے ندی کو تو بچا لیا، اب سارے گاؤں کو ہرا بھرا کر دیں گے!'' رابعہ مسکرائی اور بولی، ''بس، ہم ساتھ ہیں تو سب ممکن ہے!'' ہماری یہ چھوٹی سی شروعات ایک تحریک بن گئی ایسے ہی ہمارے ملک کے ہر بچے میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو نہ صرف ہمارا گاؤں بلکہ پورے ملک میں ایک انقلاب برپا ہو جائے گا اور ہمارا ملک ہرا بھرا ہو جائے گا۔

■

Afifa kaunain Razique shaikh
Haidri Chowk
Post: Mangrulpir
Dist: washim - 444403
Mob.: 7218640610,9175681313
afifakaunain4889@gmail.com

موبائلوں کی محفل

شبیر احمد مصباحی

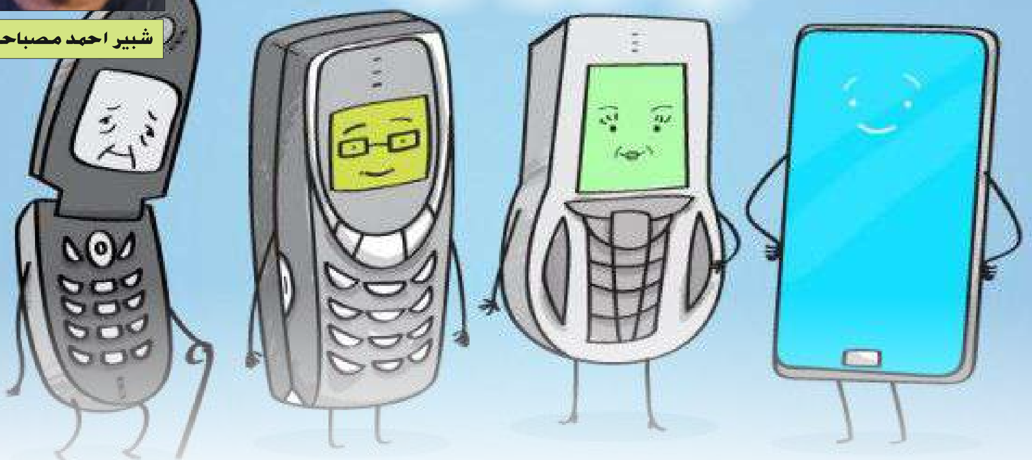

رات کا وقت تھا اور ریلوے اسٹیشن پر ایک عجیب سی گہما گہمی تھی۔ مسافر اپنی ٹرین کا انتظار کر رہے تھے، بچے اسٹیشن کے ایک کونے میں کھیل رہے تھے، اور چائے والے کی دکان سے دھواں اٹھ رہا تھا، مگر اسٹیشن کے ایک سنسان کونے میں کچھ عجیب سا منظر تھا۔ وہاں مختلف کمپنیوں کے موبائل فونز جمع تھے، جیسے یہ موبائلوں کا کوئی اجلاس ہو! پرانے، نئے، چھوٹے، بڑے، بلیک اینڈ وائٹ، رنگین، سب ایک جگہ موجود تھے۔

بوڑھا اور بھاری موبائل فون آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس محفل میں داخل ہوا۔ اس کے بٹن جگہ جگہ سے گھس چکے تھے، اس کا رنگ بھی ہلکا ہو چکا تھا، اور اس کا وزن اتنا زیادہ تھا کہ وہ چلنے میں لڑکھڑا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر سب موبائل احترام سے کھڑے ہو گئے۔

''السلام علیکم، جناب! آپ کون ہیں؟'' ایک چمکدار اور جدید آئی فون 15 پرومیکس نے مودبانہ لہجے میں پوچھا۔

بوڑھے موبائل نے مسکرا کر جواب دیا، ''میرا نام موٹورولا ہے۔ میں 2004 میں بنا تھا، اور ایک وقت تھا جب میرے مالک کو مجھ پر فخر تھا۔ مگر آج، میں ایک بھاری بھرکم اور سست رفتار موبائل بن چکا ہوں، جسے کوئی استعمال نہیں کرنا چاہتا۔''

یہ سن کر سب موبائل اداس ہو گئے، مگر نوکیا 3310 خوش دلی سے بولا، ''جناب! آپ تو ہمارے بڑے بھائی ہیں۔ ہمیں آپ پر فخر ہے! کیوں نہ ہم سب اپنا تعارف کرائیں اور ایک دوسرے کی کہانیاں سنیں؟''

نوکیا 3310 نے سب سے پہلے بولنا شروع کیا، ''میں نوکیا ہوں، اور ایک وقت تھا جب لوگ میری بیٹری کے دیوانے تھے۔ میں گر بھی جاؤں تو کچھ نہیں ہوتا تھا۔ لوگ مجھے اسنیک گیم کھیلنے کے لیے استعمال کرتے تھے اور خوش ہوتے تھے!''

’’ہاں، ہاں! اسنیک گیم! میں نے بھی وہ گیم کھیلا ہے!‘‘ ایک چھوٹے سے کی پیڈ والے موبائل نے خوشی سے کہا۔

پھر ایک اور موبائل آگے بڑھا، ’’میرا نام سونی اریکسن ہے۔ میں ان موبائلوں میں سے ہوں جن میں سب سے پہلے کیمرہ آیا تھا! میرا کیمرہ زیادہ طاقتور نہیں تھا، مگر لوگ خوش ہو جاتے تھے کہ اب وہ تصویریں کھینچ سکتے ہیں!‘‘

اب نوکیا 6600 نے کہا، ’’بھائیو! میں اسمارٹ فونز کے ابتدائی دور کا نمائندہ ہوں۔ میرے اندر میموری کارڈ ڈالا جا سکتا ہے، اور میں ویڈیوز چلا سکتا ہوں!‘‘

’’ویڈیوز؟ یہ کیا ہوتا ہے؟‘‘ بوڑھے موٹورولا نے حیرت سے پوچھا۔

’’یہ وہ چیز ہے جس میں لوگ متحرک تصویریں دیکھ سکتے ہیں۔ جیسے فلم!‘‘ نوکیا 6600 نے فخریہ انداز میں جواب دیا۔

تبھی بلیک بیری آگے بڑھا، ’’میں کاروباری لوگوں کا پسندیدہ موبائل تھا۔ میرے کی بورڈ کی وجہ سے لوگ مجھ پر بہت تیزی سے ٹائپ کر سکتے تھے۔ میں ای میلز اور میسجز کے لیے مشہور تھا، لیکن پھر اسمارٹ فونز آ گئے اور میں پیچھے رہ گیا۔‘‘

ابھی سب اپنی باتیں کر ہی رہے تھے کہ اچانک ایک چمکدار موبائل نے آگے بڑھ کر کہا، ’’دوستو! میں سیمسنگ گلیکسی ایس 23 الٹرا ہوں۔ میرے اندر 200 میگا پکسل کیمرہ ہے! میں چاند کی تصویریں بھی کھینچ سکتا ہوں!‘‘

’’200 میگا پکسل؟ ہمیں تو 1 میگا پکسل بھی نصیب نہیں ہوا!‘‘ نوکیا 3310 نے افسوس سے کہا۔

اب آئی فون 15 پرو میکس نے فخر سے کہا، ’’کیمرہ تو ٹھیک ہے، لیکن میرے اندر A17 پروسیسر ہے، جو مجھے راکٹ کی طرح تیز بناتا ہے! اور ہاں، میں وائرلیس چارجنگ بھی کر سکتا ہوں!‘‘

تبھی گوگل پکسل 8 پرو آگے بڑھا، ’’دوستو! میں بھی بہت خاص ہوں۔ میرے اندر مصنوعی ذہانت (AI) ہے، جو تصویروں کو خود بخود بہتر بنا دیتی ہے! میں خود سوچ سکتا ہوں!‘‘

’’خود سوچ سکتا ہو؟ یعنی روبوٹ کی طرح؟‘‘ موٹورولا نے حیرت سے پوچھا۔

’’بالکل! میں تصویریں خود ایڈٹ کر سکتا ہوں، الفاظ کو بہتر بنا سکتا ہوں، اور یہاں تک کہ خود بخود پیغام لکھنے میں مدد کر سکتا ہوں!‘‘ گوگل پکسل نے فخریہ کہا۔

اسی دوران، اوپو رینو 8 اور ویوو وی 27 بھی بول پڑے، ’’ہم تو سیلفی کے بادشاہ ہیں! ہمارے اندر زبردست بیوٹی فلٹرز ہیں، جو لوگوں کو اور خوبصورت بنا دیتے ہیں!‘‘

’’یہ بیوٹی فلٹر کیا ہوتا ہے؟‘‘ نوکیا 6600 نے حیرانی سے پوچھا۔

’’یہ ایک جادو ہے! یہ لوگوں کی تصاویر میں جھریاں، داغ دھبے ختم کر دیتا ہے اور ان کا چہرہ چمکدار بنا دیتا ہے!‘‘ اوپو نے فخریہ جواب دیا۔

اب ون پلس 11 پرو نے کہا، ’’میں تو اپنی 120Hz اسکرین کے لیے مشہور ہوں! میں اتنا تیز ہوں کہ لوگ مجھ پر گیمز کھیلنے کے دیوانے ہیں!‘‘

’’گیمز؟ کیسی گیمز؟‘‘ موٹورولا نے حیرت سے پوچھا۔

’’اب موبائلز میں PUBG، Duty of Call،

Asphalt 9 جیسے زبردست گیمز آتے ہیں، جنھیں لوگ گھنٹوں کھیلتے ہیں!'' ون پلس نے خوشی سے کہا۔

اب ریڈمی نوٹ 12 پرو آگے آیا، ''اور میں ایک سستا مگر زبردست موبائل ہوں! میرے اندر 5000mAh بیٹری ہے، جو دو دن تک چل سکتی ہے!''

سب حیران رہ گئے، ''اتنی بڑی بیٹری؟ ہم تو روزانہ چارج ہوتے تھے!''

ابھی یہ بات چل رہی تھی کہ اچانک، ایک آواز آئی۔

''سب تیار ہو جاؤ! تم سب کو ری سائیکلنگ فیکٹری لے جایا جا رہا ہے!''

یہ سن کر سب موبائل حیران رہ گئے۔

''ہمیں کہاں لے جایا جا رہا ہے؟'' بوڑھے موٹو رولا نے پوچھا۔

''تم سب کو توڑ کر نئے موبائل میں بدلا جائے گا!'' ایک آدمی نے جواب دیا۔

''تو کیا ہم ختم ہو جائیں گے؟'' نوکیا 3310 نے افسوس سے کہا۔

''نہیں، بلکہ ہم نئے موبائلز کی شکل میں واپس آئیں گے!'' سیمسنگ نے حوصلہ دیا۔

''ہاں، ہم ختم نہیں ہو رہے، بلکہ ایک نئی زندگی کے سفر پر جا رہے ہیں!'' موٹو رولا نے مسکرا کر کہا۔

اور یوں، تمام موبائل نئے سرے سے کسی کام آنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

■

Shabbir Ahmad Misbahi
Gindiyal Drass
Kargil Ladakh (UT)-194102
Mob.: 8082713692
misbahishabir2@gmail.com

حسرت

ثنا اسد

نویں کلاس کا 13 سالہ طالب علم سہیل جب یونیفارم پہنے اور کمر پر بستہ لٹکائے ہوئے اپنی چھوٹی بہن جمیلہ کے ساتھ سینٹ میری اسکول جاتا تو اسے ڈھابے پر برتن صاف کرنے والا ایک غریب لڑکا اکثر نظر آتا۔ وہ اسکول جانے والے بچوں کو بڑی حسرت بھری نظروں سے دیکھتا۔ اس کے میلے کچیلے کپڑے، سانولی رنگت اور معصوم چہرے کو دیکھ کر سہیل کے دل میں اس بچے سے نہ جانے کیوں لگاؤ پیدا ہوگیا تھا۔ ایک دن اسکول سے واپس گھر آتے ہوئے سہیل نے دیکھا کہ برتن دھوتے ہوئے وہ لڑکا سسک سسک کر رو رہا تھا اور اس کے گال لال ہورہے تھے، شاید کسی نے اس کے نازک گالوں پر بے دردی سے طمانچے مارے تھے۔ سہیل کے دل میں اس بچے سے ہمدردی جاگی تو وہ اس کے پاس گیا اور پیار سے دریافت کیا۔

''تم کیوں اس طرح رو رہے ہو کیا تمھیں کوئی تکلیف ہے؟'' یہ سوال سن کر پہلے تو بچہ دو پل چپ رہا اور پھر ادھر ادھر دیکھ کر ڈرتے ڈرتے سسکتے ہوئے بتایا کہ ڈھابے کے مالک نے مجھے آج صبح بہت پیٹا کیونکہ برتن دھوتے ہوئے میرے ہاتھ سے گر کر ایک کانچ کا گلاس ٹوٹ گیا تھا ''بھیا تمھارے تو یہ دن اسکول میں پڑھنے کے ہیں اور تم برتن دھو رہے ہو' سہیل' کا سوال سن کر اس نے سر جھکائے ہوئے ہی جواب دیا۔ میرے دل میں بھی یہ حسرت ہے کہ میں اسکول جاؤں مگر ہم غریبوں کی بھاگیہ (قسمت) میں اسکول جانا نہیں لکھا۔ میرے باپو اور ماں مزدوری کر کے دو وقت کی روٹی اپنے تینوں بچوں کو کھلاتے ہیں، بھلا وہ اسکول کی فیس کہاں سے دے سکتے ہیں۔ تم بھی اسکول میں داخلہ لے سکتے ہو کیونکہ سرکاری اسکول میں فیس نہیں دینا پڑتی بلکہ وہاں بچوں کے والد یا والدہ کے کھاتے میں ہر سال کئی سو روپے سرکار ڈالتی ہے اور سب بچوں کو مڈ ڈے میل یعنی دوپہر کا کھانا بھی ملتا ہے۔''

سہیل سے یہ بات سن کر بچے کا چہرہ پھول کی طرح کھل گیا ''اچھا! مجھے اور میرے باپ کو یہ پتا نہیں تھا مگر

بھائی وہ اسکول کہاں ہے جہاں داخلہ لے سکتا ہوں؟

راجو نے خوش ہوکر سوال کیا تو سہیل نے بتایا کہ ہمارا پبلک اسکول سے جو بالکل سامنے ہے، اس سے دوسو میٹر کے فاصلے پر سرکاری اسکول ہے، اسی اسکول میں تمھارا داخلہ کرنے میں مدد کروں گا۔ بس کل اپنے باپو کو صبح صبح لے آنا، لیکن وہ اپنا آدھار کارڈ اور بینک کا کھاتہ نمبر ضرور ساتھ لائیں۔ ''میرا اسکول داخلہ کرا دیا تو بھائی آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہوگا'' راجو نے ہاتھ جوڑ کر کہا تو سہیل اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا ''یہ احسان نہیں میرا فرض ہے۔ کل صبح اپنے باپو کے ساتھ مجھے سرکاری اسکول کے گیٹ پر ملنا۔'' یہ کہہ کر سہیل اپنے گھر کی جانب جانے لگا لیکن پھر واپس لوٹ کر سہیل نے بچے سے سوال کیا۔ ''مگر تمھارا نام پوچھنا تو میں بھول ہی گیا تھا۔''

''جی میرا نام راجو ہے اور میں سامنے والی جھگی میں رہتا ہوں۔ بچے نے ہاتھ جوڑ کر کہا تو سہیل نے ایک بار پھر اسے یاد دلاتے ہوئے کہا'' کل صبح اپنے باپو کے ساتھ ملنا، مت بھولنا، نہیں میں بالکل نہیں بھولوں گا اور باپو کے ساتھ اسکول کے گیٹ پر ملوں گا۔'' راجو کو یاد دہانی کرا کے سہیل اپنے گھر چلا گیا۔

اگلی صبح راجو اپنے باپو کے ساتھ سرکاری اسکول پہنچ گیا جہاں سہیل پہلے سے ہی موجود تھا۔ آج راجو کی آنکھوں میں چمک تھی کیونکہ ڈھابے پر برتن دھوتے ہوئے وہ اکثر اسکول جانے اور اپنے سخت ہاتھوں میں قلم کتاب اٹھانے کے خواب دیکھتا تھا۔ اب وہ خواب حقیقت کی شکل اختیار کر رہا تھا۔ راجو نہا دھو کر اور گھر میں دھلے ہوئے کپڑے پہن کر آیا تھا۔ اس کی ماں نے راجو کی آنکھوں میں کاجل بھی لگا دیا تھا۔

سہیل نے اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب سے داخلہ فارم لیا اور اسے بھر کر نیز اس کے ساتھ آدھار کارڈ اور بینک اکاؤنٹ کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں نتھی کر کے ماسٹر جی کو دے دیا اور خود اپنے پبلک اسکول کی طرف جانے لگا تو راجو کے باپو نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی اور شکریہ ادا کیا۔ راجو سہیل کے پاؤں چھونے کے لیے جھکا تو سہیل نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ کر اوپر اٹھایا اور اپنے گلے سے لگاتے ہوئے کہا: خوب دل لگا کر پڑھنا اور اپنے ماں باپ کا نام روشن کرنا۔ ویسے میں بھی کبھی کبھی تم سے آتے جاتے ملتا رہوں گا۔'' یہ سن کر راجو کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے اور بھرّائی ہوئی آواز میں کہا ''سہیل بھائی! آج آپ نے میرے پڑھنے لکھنے اور اسکول جانے کی حسرت پوری کر دی، بھگوان آپ کو ترقی دے۔'' اور راجو سے ہاتھ ملا کر اور اس کے باپو کو آداب کر کے سہیل اپنے پبلک اسکول کی جانب چل دیا، راجو کے باپو بھی بہت خوش تھے۔ انھوں نے اب اپنے دل میں ٹھان لیا تھا کہ وہ اپنے باقی دو بچوں کو بھی اسکول میں داخل کرائیں گے اور ان کی تعلیم حاصل کرنے کی حسرت کو اسی طرح پوری کریں گے جس طرح راجو کی پوری ہوئی ہے۔ پھر راجو مسکراتے ہوئے اپنی کلاس میں چلا گیا اور باپو مزدوری کرنے کے لیے نکل پڑے۔

■

Sana Asad
97 F, Sector 7, Jasola Vihar
New Delhi- 110025
asadrnaqvi@gmail.com

مچھلی کے بچے

دوسرا حصہ

دونوں دوست تھوڑی دیر یوں ہی کھڑے رہے۔ وہ اپنے مینڈک دوست کے یوں اچانک غائب ہوجانے سے دکھی ہوگئے تھے۔ ذرا ہی دیر بعد چھوٹا مینڈک پھر نظر آیا۔ اب اس کے ساتھ ایک بڑا موٹا سا مینڈک بھی تھا۔ اس کی لمبائی پندرہ سینٹی میٹر سے کم تو نہیں ہوگی۔ چھوٹا مینڈک بولا ”لو، اب تم ہمارے چچا جان سے اور باتیں پوچھ لو، تمھیں میرے بڑے ہونے کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔“ اس نے اتنا کہا اور پھر ایک لمبی چھلانگ لگا کر گھاس میں غائب ہوگیا۔

”اتنا چھوٹا سا ہے اور چھلانگ کتنی لمبی لگاتا ہے۔“ اکرم نے کہا۔

”ہم مینڈکوں کے پچھلے پیروں میں بہت طاقت ہوتی ہے، اس کی وجہ سے ہم اپنی کل لمبائی سے کئی گنا لمبی چھلانگ لگا سکتے ہیں، کچھ مینڈک تو اپنے جسم کی لمبائی سے بیس گنا زیادہ دوری ایک ہی چھلانگ میں طے کرلیتے ہیں۔“ بڑا مینڈک جو ابھی آیا تھا، اس نے سلمان اور اکرم کو بتایا۔ اب لڑکے اس مینڈک کے قریب آگئے۔

”تو بتاؤ چچا کیا سب مینڈک ایک جیسے نہیں ہوتے؟“ اکرم نے پوچھا۔

”زیادہ تعداد تو ہم جیسے عام مینڈکوں کی ہی ہے، مگر مینڈک دنیا کے ہر خطے میں اور ہر قسم کی آب و ہوا میں پائے جاتے ہیں۔ بس دنیا کا ایک علاقہ ہے انٹارکٹکا جہاں پورے سال برف جمی رہتی ہے۔ کھانے کو بھی کچھ نہیں ملتا۔ وہاں مینڈک نہیں ہوتے۔ اب مختلف آب وہوا اور حالات ہونے کی وجہ سے مینڈک کی بہت سی قسمیں بن گئی ہیں اور مینڈکوں کی شکل و صورت اور عادتیں بھی الگ ہوگئی ہیں۔“

”مینڈک ہر طرح کی آب وہوا اور ہر درجۂ حرارت پر کیسے رہ لیتے ہیں؟“ سلمان نے پوچھا۔

”تم نے اچھا سوال کیا ہے۔ دراصل قدرت نے ہمارے اندر یہ خوبی رکھی ہے کہ ہم اپنے جسم کے درجۂ حرارت کو اپنے چاروں طرف کے ماحول کے مطابق کرلیتے ہیں۔ اس لیے ہمیں اس سے کچھ زیادہ تکلیف نہیں ہوتی ہے۔ ایسا کئی اور جانور بھی کرتے ہیں۔ ایسے جانوروں کو ٹھنڈے خون والا (Cold Blooded

Animal) کہتے ہیں۔'' مینڈک نے بتایا۔
''تو دوسری قسم کے مینڈکوں کو ہم کیسے پہچانیں گے کہ یہ مینڈک ہیں؟'' اکرم نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔
''پھر ایک اچھا سوال۔'' مینڈک نے اکرم کی طرف اپنی گول گول آنکھیں گھمائیں اور بولا۔''دیکھو جسم کی لمبائی اور رنگ روپ میں تو مینڈک مختلف ہو سکتے ہیں، مگر جسم کی بنیادی بناوٹ سب کی ایک ہی ہوتی ہے جیسی کہ تم میری دیکھ رہے ہو۔'' مینڈک نے بتایا۔
اکرم اور سلمان نے اب مینڈک کو غور سے دیکھا۔ اس کا تکونا چپٹا سر تھا اور اس پر وہ ابھری ہوئی گول آنکھیں تھیں۔ گردن تو سرے سے تھی ہی نہیں۔ بس سر کے بعد موٹا سا تقریباً گول جسم تھا۔ پیچھے کے پیر بہت لمبے تھے جن میں پانچ انگلیاں تھیں اور ان کے درمیان جھلی لگی ہوئی تھی۔ آگے کے پیر کافی چھوٹے تھے اور ان کی انگلیوں کے درمیان کوئی جھلی نہیں تھی۔ بس چار انگلیاں تھیں۔ مینڈک کی لمبائی یہی کوئی پندرہ سینٹی میٹر ہوگی۔
''کیا تم سے بڑے سائز کے مینڈک بھی ہوتے ہیں؟'' اکرم نے پوچھا۔
''ہاں دنیا کا سب سے بڑا مینڈک گولیاتھ فراگ (Goliath Frog) ہے جو تیس سینٹی میٹر لمبا ہوتا ہے۔ یہ افریقہ میں پایا جاتا ہے اور دنیا کا سب سے چھوٹا مینڈک صرف ایک سینٹی میٹر کا ہی ہوتا ہے۔'' مینڈک نے بتایا۔
''ہم نے تمھاری شکل وصورت تو دیکھ لی ہے۔ اب کچھ اپنی عادتوں کے بارے میں بتاؤ۔'' سلمان نے کہا۔
''میں تمھیں بتاتا ہوں کہ ہم اپنے جسم کے مختلف حصوں سے کس طرح کام لیتے ہیں۔'' لڑکوں کا شوق دیکھ کر مینڈک کو انھیں سب کچھ بتانے میں مزہ آنے لگا تھا۔
''ہماری گول ابھری ہوئی آنکھیں سر کے ایک دم اوپر ہیں جس کی وجہ سے ہم بغیر سر ہلائے چاروں طرف آسانی سے دیکھ سکتے ہیں۔ ہمیں گردن کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری بینائی بہت تیز ہوتی ہے۔ ہم دور سے اپنے شکار کو دیکھ لیتے ہیں اور دشمن کو بھی پہچان لیتے ہیں۔'' مینڈک نے بات جاری رکھی۔''ہماری آنکھ کے اوپر نیچے دو پپوٹے ہیں، سوتے وقت ہم آنکھ کے ڈھیلوں کو اندر کر لیتے ہیں تو یہ دونوں پپوٹے آپس میں مل جاتے ہیں اور آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ نیچے کے پپوٹے کے ساتھ ایک پردہ سا لگا رہتا ہے۔ (Nictitating Membrame) پانی میں تیرتے وقت ہم اس کو اوپر چڑھا لیتے ہیں تو آنکھوں میں پانی نہیں جاتا اور ہمیں سب کچھ نظر بھی آتا رہتا ہے۔'' مینڈک نے آنکھ بند کر کے اور پھر پردہ چڑھا کر بھی لڑکوں کو دکھایا۔
''واہ یہ تو بہت بڑھیا ہے۔'' سلمان خوش ہو کر بولا۔
''بالکل ویسا ہی ہے جیسے تیراک اس کام کے لیے چشمہ پہن لیتے ہیں۔'' اکرم نے سلمان سے کہا۔
''تمھارے کان نہیں ہیں؟'' اکرم نے مینڈک سے پوچھا۔
''ہیں کیوں نہیں۔ آنکھوں کے پیچھے یہ پردے دیکھ رہے ہو؟ یہی کان کا کام کرتے ہیں۔ انھیں ایرڈرم (Ear drum) کہتے ہیں۔'' مینڈک نے بتایا۔
''ہمارے پچھلے لمبے پیر لمبی لمبی چھلانگیں لگانے میں ہماری مدد کرتے ہیں اور پیروں کی انگلیوں میں جو جھلی لگی ہے یہ تیرنے کے کام آتی ہے۔''

''آ گے کے پیر کس کام آتے ہیں؟ یہ تو بہت چھوٹے ہیں۔'' سلمان نے پوچھا۔

''یہ چھوٹے چھوٹے پیر بھی بہت کام کے ہیں۔ یہ تیرنے اور چلنے میں تو مدد کرتے ہی ہیں، ان ہی کے سہارے ہم بیٹھتے ہیں۔'' مینڈک نے بتایا۔ وہ پھر بولا ''مینڈک سال میں کئی مرتبہ اپنے جسم کی کھال بدلتا ہے۔ پرانی کھال کو چھوٹے پیروں کی مدد سے ہی کھینچ کر اتارتا ہے۔''

''کھال کا کیا ہوتا ہے؟'' سلمان نے پوچھا۔

''اسے ہم کھا جاتے ہیں۔'' مینڈک نے بتایا۔

''ہماری سونگھنے کی حس بھی بہت تیز ہوتی ہے اور زبان بھی بہت جلدی ہر مزے کو پہچان لیتی ہے۔ اگر کوئی بدمزہ کیڑا منھ میں آ جاتا ہے تو زبان فوراً اسے نکال کر پھینک دیتی ہے۔''

''مینڈکیاں انڈے کس زمانے میں دیتی ہیں؟'' اکرم نے پوچھا۔

''ہندوستان اور اس کی جیسی آب و ہوا والے ملکوں میں مینڈکیاں برسات میں کسی تالاب یا برساتی گڈھے میں اپنے انڈے دیتی ہیں اور ان کے ٹڈپول پانی میں ہی بڑھتے اور پرورش پاتے ہیں۔ سرد علاقوں میں مینڈکی گرمی کے شروع میں یا پھر بہار کے موسم میں انڈے دیتی ہے۔ انڈے پھوٹنے کا دار و مدار درجۂ حرارت پر منحصر ہوتا ہے۔ عام طور پر انڈے پھوٹنے میں تین سے پچیس دن لگتے ہیں۔ گرم علاقوں میں نشو و نما تیز ہوتی ہے اور ٹھنڈے علاقوں میں یہ عمل ہلکا ہوتا ہے۔'' مینڈک نے تفصیل سے بتایا۔

''چھوٹے مینڈک نے بتایا تھا کہ مینڈک کے انڈے اور بچے بہت سے دوسرے جانور کھا جاتے ہیں۔ کیا بڑے مینڈک کو بھی اس قسم کے خطرے ہوتے ہیں؟'' سلمان کو اس بات کی بہت فکر تھی۔

''ہاں بہت سے جانور اور پرندے ہمیں ٹڈپول

سے بڑا مینڈک بننے کے ہر درجے میں شکار بناتے ہیں، مگر قدرت نے ہمیں بھی اپنی حفاظت کے کچھ طریقے سکھائے ہیں اور ہمارے جسم میں بھی اس کا انتظام کیا ہے۔'' مینڈک نے کہا۔

''وہ کیا؟'' سلمان نے پوچھا۔

''میں نے تمھیں اپنی تیز نظر اور سونگھنے کی طاقت کے بارے میں بتایا تھا۔ اس وجہ سے ہم اکثر خطرے کو پہلے سے جان لیتے ہیں اور چھپ جاتے ہیں۔ پھر ہمارے جسم کی پتلی جلد میں زہر کی تھیلیاں ہوتی ہیں، جب کوئی شکاری پرندہ یا جانور ہمیں پکڑتا ہے تو یہ زہر ان کے منھ میں ایسی جلن پیدا کرتا ہے کہ انھیں ہمیں فوراً چھوڑ دینا پڑتا ہے۔

''بھئی واہ'' سلمان نے خوشی سے تالی بجائی۔

مینڈک نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''اکثر ہمارا رنگ چاروں طرف کے ماحول سے ایسا میل کھاتا ہے کہ شکاری ہمیں دیکھ ہی نہیں پاتا۔''

مینڈک ذرا رکا اس نے ادھر ادھر سے چند کیڑے پکڑ کر کھائے۔

''کچھ اور بتاؤ۔'' اکرم کو مینڈک کی باتیں سننے میں بڑا مزہ آرہا تھا۔ اس کا جی ہی نہیں بھرتا تھا۔

''اور! اور کیا بتاؤں؟'' اس نے ان ہی سے پوچھا۔

''سنو! جاڑے کے دنوں میں کبھی کوئی مینڈک نظر نہیں آتا۔ ایسا کیوں ہے؟'' سلمان نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''دراصل بہت زیادہ سردی اور زیادہ گرمی میں ہم سست ہوجاتے ہیں۔ کچھ کرنے کا دل ہی نہیں چاہتا۔ بس کسی کونے کھدرے میں جا کر سوجاتے ہیں۔ نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، بس سوتے رہتے ہیں۔ اس حالت کو ہائبرنیشن (Hybernation) کہتے ہیں۔ جب موسم بہتر ہوتا ہے تو باہر نکلتے ہیں اور کھانے کی تلاش اور زندگی کی دوسری بھاگ دوڑ شروع کردیتے ہیں۔''

''بغیر کھائے پیے تم زندہ کیسے رہتے ہو؟'' اکرم حیران تھا۔

''اس عرصے میں ہمارے جسم میں جمع شدہ چربی ہمیں زندہ رکھتی ہے۔ یہ چربی گھل گھل کر جسم میں ملتی رہتی ہے اور اسی سے ہمیں طاقت ملتی ہے۔'' مینڈک نے کہا۔

''ایک اور بات شاید تمھیں سن کر مزہ آئے۔'' یہ کہہ کر مینڈک نے لڑکوں کی طرف دیکھا۔

''ایسی کیا بات ہے، بتاؤنا۔'' سلمان نے شوق سے پوچھا۔

''ہاں بتاؤنا۔'' اکرم نے بھی کہا۔

''بات یہ ہے کہ ہم جتنی مرتبہ بھی ہائبرنیشن میں جاتے ہیں تو ہر بار ہماری ہڈیوں پر ایک گول نشان ابھر آتا ہے اور جس طرح درختوں کے تنوں پر سالانہ دائروں کو گن کر درختوں کی عمر کا حساب لگایا جاتا ہے، ہماری ہڈیوں پر بنے ان دائروں سے تمھارے سائنسداں ہماری عمر بھی جان سکتے ہیں۔''

''واہ بھئی واہ! یہ تو واقعی بڑی دلچسپ بات ہے اور ہمارے لیے تو بالکل نئی۔'' سلمان بولا۔

''اچھا اب تم ہمیں دوسری قسم کے مینڈکوں کے بارے میں بھی کچھ بتاؤ۔'' اکرم نے کہا۔

''دنیا بھر میں تو مینڈکوں کی 6000 قسمیں ہیں۔ ان کے بارے میں تو تم ذرا اور بڑے ہوجاؤ تو کتابوں

میں پڑھنا۔ ہاں میں تمھیں مینڈکوں کے بارے میں کچھ عجیب اور مزے دار باتیں بتاتا ہوں۔''

''ہاں ہاں بتاؤ۔'' سلمان پھر جوش میں آ گیا۔

مینڈک نے شروع کیا۔

''سبھی مینڈکیاں پانی میں انڈے نہیں دیتیں۔ کچھ مینڈک زمین کے نیچے رہتے ہیں۔ ان کی مینڈکیاں وہیں انڈے دیتی ہیں۔ کچھ ایسی بھی ہوتی ہیں جو انڈے پھوٹنے تک انھیں اپنی پیٹھ پر لیے پھرتی ہیں اور کچھ تو ٹڈپول کو بھی اپنے جسم سے الگ نہیں کرتیں۔ ان کی پیٹھ پر گڈھے سے بنے رہتے ہیں یا پھر چھوٹی چھوٹی تھیلیاں ہوتی ہیں۔ بس ان ہی میں ٹڈپول رہتے ہیں۔

''واہ! خوب سواری کرتے ہیں یہ ٹڈپول تو۔'' سلمان بولا۔

''ایک طرح کی مینڈکی تو اپنے انڈوں کو منھ میں ہی رکھتی ہے اور جب پھوٹنے کا وقت آتا ہے تو پانی میں چھوڑ دیتی ہے۔'' مینڈک نے بات جاری رکھتے ہوئے بتایا۔

''سچ؟'' اکرم اور سلمان کا منھ حیرت سے کھل گیا۔

''کہیں اور بھی انڈے دیتی ہیں بی مینڈکی؟'' اکرم نے پوچھا۔

''ہاں کچھ مینڈکیاں پانی کے کنارے لگے ہوئے پیڑوں کے پتوں پر انڈے دیتی ہیں جو پھوٹنے پر پانی میں گر جاتے ہیں اور وہیں پلتے بڑھتے ہیں۔ کچھ مینڈک چٹانوں پر رہتے ہیں۔ کلف فراگ (Clif Frog) مینڈکیاں یہیں انڈے دیتی ہیں اور جانتے ہو ان انڈوں میں سے ٹڈپول نہیں نکلتے بلکہ چھوٹے چھوٹے مینڈک ہی نکلتے ہیں۔''

''تم تو واقعی بہت عجیب اور مزے دار باتیں بتا رہے ہو۔'' اکرم نے کہا۔

''اور کچھ؟'' سلمان نے پوچھا۔

''ایک طرح کے مینڈک کے پیروں کی جھلی اتنی چوڑی ہوتی ہے کہ یہ جھالر جیسی نظر آتی ہے۔ اس کی مدد سے مینڈک ایک پیڑ سے دوسرے پیڑ پر بڑی آسانی سے چھلانگ لگا سکتا ہے۔ اس کو گلائڈنگ فراگ (Gliding Frog) کہتے ہیں۔''

سلمان اور اکرم کا دل تو چاہتا تھا کہ مینڈک بتاتا رہے اور وہ سنتے رہیں، مگر گھر بھی تو جانا تھا، چنانچہ انھوں نے مینڈک چچا کا شکریہ ادا کیا اور ان سے رخصت لی۔

دونوں دوستوں کو مینڈک کے بارے میں اور معلومات حاصل کرنے کا ایسا شوق پیدا ہوا کہ انھوں نے بہت سی کتابیں پڑھیں، کبھی انٹرنیٹ سے معلومات نکالتے اور جو نئی بات معلوم ہوتی اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی بتاتے۔ اسکول میں تو یہ دونوں 'مینڈک اکسپرٹ' کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ دونوں نے اپنی اپنی ڈائری میں بہت سی معلومات اکٹھا کر لی تھیں اور ہمیں ان کی ڈائریوں سے مینڈکوں کی کچھ تصویریں بھی ملیں جو ہم نے آپ کے لیے یہاں لگا دی ہیں۔ ان کو حاصل کرنے میں یقیناً اکرم اور سلمان نے بہت محنت کی ہوگی۔ امید ہے آپ کو اکرم اور سلمان کے ذریعے مینڈک کی یہ کہانی پسند آئی ہوگی۔

■

ماخذ: مچھلی کے بچے، **مصنف**: زاہدہ خاتون
مصور: شیراز حسین، **پہلی اشاعت**: 2023 **ناشر**: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

آرائش پسند کیکڑے

اسید اشہر

پیارے بچو! آپ نے ایسے کئی جانداروں کے متعلق سنا ہوگا جو اپنی حفاظت کے لیے رنگ بدل لیتے ہیں، جیسے گرگٹ، ہشت پا، سمندری گھوڑا وغیرہ۔ لیکن کیا آپ ایسے کیکڑوں کے بارے میں جانتے ہیں جو خود کو چھپانے اور اپنی حفاظت کے لیے بھیس بدل لیتے ہیں؟ چلیے، آپ کو آرائش پسند کیکڑے (Decorator Crabs) سے ملواتے ہیں۔ یہ چھوٹی سی مخلوق، سمندری دنیا میں کسی فنکار سے کم نہیں جو اپنے خول کو سجانے کے لیے سمندری پودوں اور گھاس، مردہ جانوروں کے خول یہاں تک کہ چھوٹے موٹے زندہ جانوروں کو بھی بروئے کار لاتی ہے۔ خود کو سجانا اس کے لیے صرف تفریح کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ اس سے انھیں سمندر میں زندہ رہنے میں بھی اسے مدد ملتی ہے۔ آیئے، ہم ان کے بارے میں مزید جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

آرائش پسند کیکڑے ایک چھوٹی سی مخلوق ہے جس کی دنیا بھر میں سیکڑوں انواع پائی جاتی ہیں۔ ان کی جسمانی چوڑائی ایک انچ (2.5 انچ) سے 2 انچ (5 سینٹی میٹر) کے درمیان ہوتی ہے۔ اس کی مختلف قسموں کی سائز بھی الگ الگ ہوتی ہے۔ اس کی جسامت زیادہ سے زیادہ 4 سے 6 انچ (10 سے 15 سینٹی میٹر) تک ہوسکتی ہے۔ اس کا جسم عام کیکڑوں کی طرح چھوٹا اور سخت خول سے ڈھکا ہوتا ہے۔ اس کے جسم پر چھوٹے ہُک نما ڈھانچے (Setae) پائے جاتے ہیں جو اشیا پر گرفت بنائے رکھنے میں ان کے لیے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

آرائش پسند کیکڑے سبزی خور اور گوشت خور دونوں ہوتے ہیں۔ وہ کائی، چھوٹے جاندار، گلے سڑے والے مادے اور سمندری فرش پر موجود نامیاتی اشیا کھاتے ہیں۔ سمندری کیڑے اور مردہ مچھلیاں بھی ان کی غذا میں شامل ہیں۔ بعض اوقات وہ ان اسفنج اور سمندری پودوں کو بھی کھا جاتے ہیں جنھیں وہ سجانے کے لیے استعمال

کرتے ہیں۔ ان کی عمر عام طور پر 2 سے 3 سال تک ہوتی ہے جب کہ کچھ 5 سال تک کی زندگی پاتے ہیں۔ یہ ان کے ماحول اور شکاریوں پر منحصر ہوتی ہے۔ آرائش پسند کیکڑے، آسٹریلیا، انڈونیشیا، ملیشیا، فلپائن اور میکسیکو سمیت پوری دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ وہ عام طور پر گرم اور معتدل علاقوں میں مرجان کی چٹانوں، چٹانی علاقوں اور سمندری گھاس کے بستر جیسے اتھلے یا کم گہرے پانیوں میں رہتے ہیں۔ یہ جگہیں زندگی سے بھرپور ہوتی ہیں اور کیکڑوں کو ان کی سجاوٹ میں استعمال کرنے کے لیے بہترین مواد فراہم کرتی ہیں۔ کچھ آرائش پسند کیکڑے سمندر کے گہرے حصوں میں بھی رہتے ہیں، لیکن انھیں تلاش کرنا مشکل ہے۔

آرائش پسند کیکڑے اپنے جسم کو زہریلے سمندری جاندار اور پودوں، کائی، سمندری گھاس، اسفنج، جانداروں کے خول اور بعض اوقات چھوٹے جانداروں سے ڈھانک لیتے ہیں تاکہ اپنے آپ کو چھپا سکیں اور محفوظ رکھ سکیں۔ ان کی کچھ اقسام ماحول کے مطابق اپنی سجاوٹ تبدیل کرتی ہیں۔ بیشتر آرائش پسند کیکڑے دن میں آرام کرتے ہیں اور رات کے وقت اپنی غذا حاصل کرتے ہیں تاکہ شکاریوں سے بچ سکیں۔ مچھلیاں، ہشت پا، اور سمندری کچھوے ان کیکڑوں کے اہم شکاری ہیں لیکن آرائش پسند کیکڑوں کا استتار (Camouflage) انھیں شکاریوں کی نظروں سے بچائے رکھتا ہے اور ان کی حفاظت کرتا ہے۔ ان کے جسم پر موجود ہُک نما بال انھیں اپنے جسم پر مختلف اشیا چپکانے میں مدد کرتے ہیں۔ کیکڑے سمندری سوار، اسفنج کے ٹکڑے یا چھوٹے خول جیسی اشیا کو احتیاط سے اٹھاتے ہیں اور انھیں اپنے خولوں پر دباتے ہیں۔ سجاوٹ میں استعمال ہونے والا اسفنجی مواد اور کیمیائی مرکبات ان کی حفاظت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور شکاریوں کو دور رکھتے ہیں۔ ان کے ذریعے استعمال کی جانے والی کچھ سجاوٹی اشیا، جیسے اسفنج، شکاری کے منہ کا ذائقہ خراب کر سکتی ہیں یا ایسے کیمیکل چھوڑ سکتی ہیں جو شکاریوں کو خوفزدہ کر دیں۔ جس کے بعد شکاری ان سے فاصلہ بنائے رکھتے ہیں اور یوں کیکڑے محفوظ رہتے ہیں۔ سجاوٹ کا یہ رویہ کیکڑوں کے لیے خود کو ماحول کے مطابق ڈھالنے کا ایک طریقہ بھی ہے۔ مثال کے طور پر، مرجان کی چٹانوں میں رہنے والا کیکڑا، مرجان کے ٹکڑوں کا استعمال کر سکتا ہے جب کہ سمندری جنگل میں ایک کیکڑا خود کو پودوں سے ڈھانپ لیتا ہے۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ یہ جاندار لاکھوں برسوں سے استتار کی تکنیک کا استعمال کر رہے ہیں۔

آرائش پسند کیکڑے گوند کا استعمال نہیں کرتے، وہ اپنے خول پر موجود قدرتی چپچپے مادے پر انحصار کرتے ہیں۔ کئی کیکڑے وقت کے ساتھ اپنی سجاوٹ کو تبدیل کرتے ہیں، کچھ کیکڑے دن میں کئی بار اپنی سجاوٹ میں تبدیلیاں کرتے ہیں۔ کچھ آرائش پسند کیکڑے اپنے جسم پر زندہ اسفنج اُگا لیتے ہیں، جو وقت کے ساتھ بڑھتا رہتا ہے۔ اگر انھیں کوئی خطرہ محسوس ہو تو وہ اپنے جسم سے سجاوٹ والی چیزوں کو فوراً جھاڑ دیتے ہیں تاکہ تیزی سے بھاگ سکیں۔ اگرچہ آرائش پسند کیکڑے چھوٹے ہوتے ہیں، لیکن بہت بہادر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شکاری بہت قریب آجاتا ہے تو وہ اسے ڈرانے کے لیے اپنے پنجے لہراتے ہیں۔

ماحولی نظام کا اہم حصہ

آرائش پسند کیکڑے صرف ایک ذہین جاندار ہی نہیں بلکہ سمندری ماحولیاتی نظام کا ایک اہم حصہ بھی ہیں۔ وہ آبی دنیا میں کئی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اول، وہ مچھلیوں اور سمندری کچھوؤں جیسے بڑے جانداروں کے لیے خوراک کا ذریعہ بھی ہیں۔ غذائی زنجیر کا حصہ بن کر، وہ سمندری حیات کو متوازن رکھنے میں مدد کرتے ہیں۔ دوم، آرائش پسند کیکڑے اپنے ماحول کی صفائی میں تعاون کرتے ہیں۔ جب وہ سمندری کچرے یا اسفنج جیسے مواد کو اٹھاتے ہیں تو وہ سمندر کے فرش کے ٹکڑوں کو ری سائیکل کر دیتے ہیں۔ اس کے باعث ان کا مسکن صاف ستھرا اور صحت مند رہتا ہے۔ سوم، آرائش پسند کیکڑے ہمیں بتاتے ہیں کہ فطرت کتنی حیرت انگیز ہو سکتی ہے۔ زندہ رہنے کا ان کا تخلیقی طریقہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہر مخلوق خواہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو، ماحول میں ایک خاص کردار ادا کرتی ہے۔

ہمیں ان کی پرواہ کیوں کرنی چاہیے؟

سمندر عجیب و غریب مخلوقات سے بھرا ہوا ہے اور آرائش پسند کیکڑے اس بات کی صرف ایک چھوٹی سی مثال ہیں کہ پانی کے اندر زندگی کتنی انوکھی ہو سکتی ہے۔ ان کے بارے میں جان کر، ہم سمندری حیات اور ان کے رہائش گاہوں کے تحفظ کی اہمیت کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ آرائش پسند کیکڑے بھلے ہی دیگر جانداروں کے مقابلے چھوٹے ہوں، لیکن وہ سمندری ماحولی نظام کو صحت مند رکھنے میں بڑا کردار ادا کرتے ہیں۔ اپنی فنکارانہ مہارتوں اور بقا کی حکمت عملیوں کی سوجھ بوجھ رکھنے والے آرائش پسند کیکڑے واقعی سمندری دنیا کے 'ماہر بہروپیے' Master of Disguise کے اپنے لقب کے مستحق ہیں۔ اگلی بار جب آپ آرائش پسند کیکڑوں کے بارے میں سوچیں تو ان کی تخلیقی صلاحیتوں اور ہمت کو یاد رکھیں۔ وہ ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ چھوٹی سے چھوٹی مخلوق بھی ہمیں بقا اور موافقت کے بارے میں بڑا سبق سکھا سکتی ہے۔

■

Mr. Usaid Ashhar
109, Aqsa Nagar, Mehrun, Jalgaon,
Maharashtra - 425001
Mobile: 9766222406
Email: usaidashhar@gmail.com

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

معلوماتِ عامہ بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب و ثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہو جائیں گی۔

1. پیراشوٹ کا استعمال کس سال ہوا؟
2. لیموں میں کون سا ایسڈ پایا جاتا ہے؟
3. کون سے جانور کا دانت اس کے پیٹ کے اوپر ہوتا ہے؟
4. بین الاقوامی یوم ماحولیات کب منایا جاتا ہے؟
5. دنیا کے سب سے بڑے جزیرے کا نام کیا ہے؟
6. شیر کے بچے کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں؟
7. سی وی رمن کو نوبل انعام کب ملا؟
8. وراٹ کوہلی نے ٹیسٹ کرکٹ سے ریٹائرمنٹ کا اعلان کب کیا؟
9. بین الاقوامی یوم آبادی کب منایا جاتا ہے؟
10. امیزون کے بانی کا نام کیا ہے؟
11. ہندوستان کی سرد ترین جگہ کون سی ہے؟
12. ہیری پورٹر کے مصنف کا نام کیا ہے؟
13. ہاکی کی ایک ٹیم میں کتنے کھلاڑی ہوتے ہیں؟
14. وٹامن اے کی دریافت کب کی گئی؟
15. چنئی کا پرانا نام کیا ہے؟
16. سی بی ایس سی بورڈ کا قیام کب عمل میں آیا؟
17. سی بی ایس سی کا فل فارم کیا ہے؟
18. باسکٹ بال میں ایک ٹیم میں کتنے کھلاڑی ہوتے ہیں؟
19. خون کے اس جز کا نام بتائیں جو انفیکشن سے لڑتا ہے؟
20. موریہ خاندان کا سب سے پہلا بادشاہ کون تھا؟

(جواب صفحہ نمبر 36 پر ملاحظہ فرمائیں)

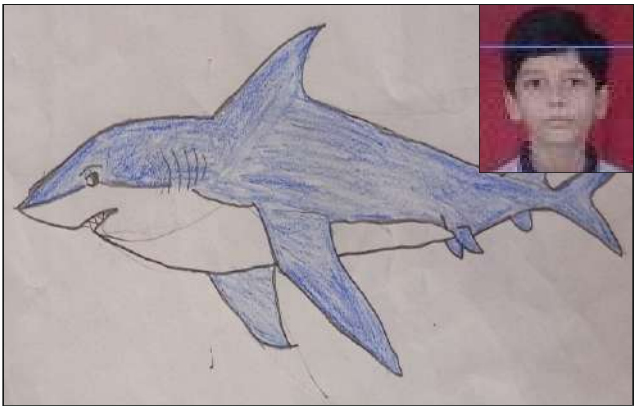

سید ریاض الدین سید زین العابدین، درجہ چہارم، ایم آئی تیلی انگلش میڈیم اسکول محمد علی روڈ
بھساول، ضلع جلگاؤں، مہاراشٹر

عالیہ بی عزیز خان، درجہ ہشتم گورنمنٹ اردو نیو مڈل اسکول شاہ پور
ضلع برہانپور، مدھیہ پردیش

طاہرہ بانو بنت محسن خان، شاہین پبلک سیکنڈری اسکول، جالور، راجستھان

ماریہ اے۔ جے۔ فاطمہ، درجہ ہفتم نیشنل وکٹر پبلک اسکول، ویسٹ گورکھ پارک، نیو جعفر آباد، دہلی

ارزان رحمان، درجہ: ایل کے جی، ڈی ڈبلیو پی ایس، دربھنگہ بہار

حفصہ عروج سید زین العابدین، درجہ پنجم
ایم آئی تیلی انگلش میڈیم اسکول محمد علی روڈ، بھساول، مہاراشٹر

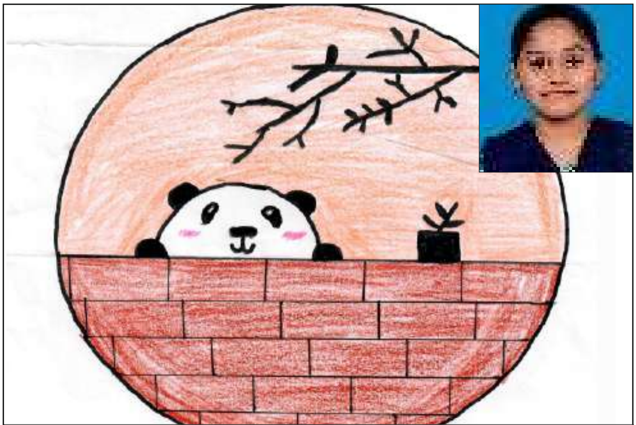

تنوین ظہیر عباس باگیواڑی، درجہ ششم، سرکاری اردو مدرسہ نمبر 2، بیل ہونگل، کرناٹک

امرین سلیم تمبولی، درجہ پنجم، مولانا آزاد اردو گرلز ہائی اسکول، دھولیہ، مہاراشٹر

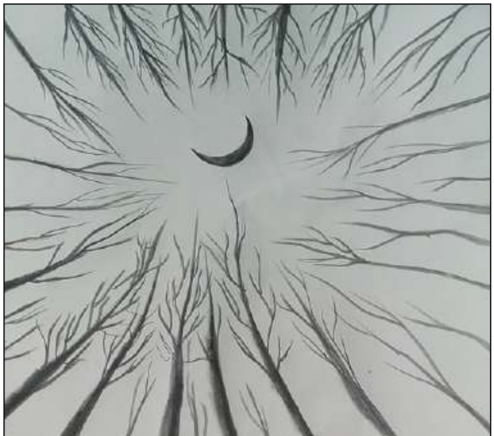

تسبیحہ نور، قریش نگر داپور، مہاراشٹر

سیدہ رمشا، درجہ دہم، اردو ہائی اسکول، مہاراشٹر

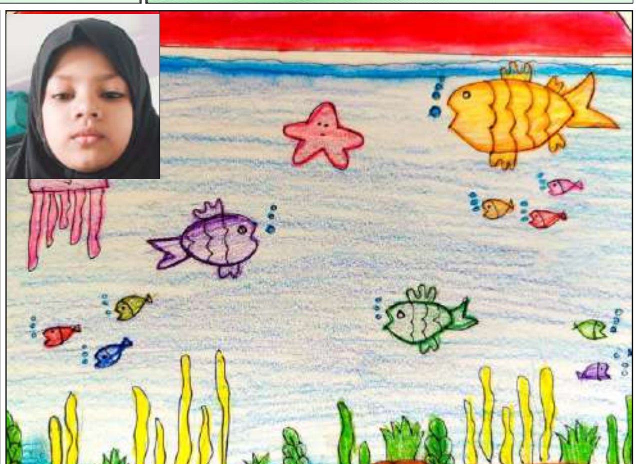

مریم ابراہیم خان، درجہ سوم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پوار بستی، چکھلی، پونہ مہاراشٹر

آصف عالم، درجہ نہم، قرطبہ انسٹی ٹیوٹ آف اکیڈمک ایکسیلنس، کشن گنج، بہار

انعم محمد ظفر کالکندری، ششم سرکاری اردو مدرسہ نمبر 2، بیل ہونگل، کرناٹک

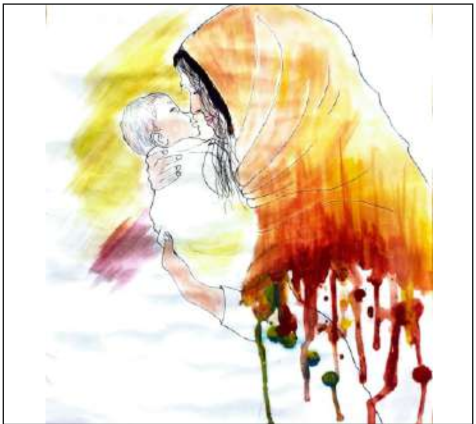

معاذ پرویز، درجہ نہم، قرطبہ انسٹی ٹیوٹ آف اکیڈمک ایکسیلنس، کشن گنج، بہار

محمد شبیر، درجہ ہشتم، سیکشن بی، بیلگھریا جتن داس، ودیا مندر، مغربی بنگال

غزالی احمد، درجہ نہم، قرطبہ انسٹی ٹیوٹ آف اکیڈمک ایکسیلنس، کشن گنج، بہار

ابودردا، مدرسہ رحمت العلوم، ٹولہ ہردیا، کوٹھی رکسول، مشرقی چمپارن، بہار

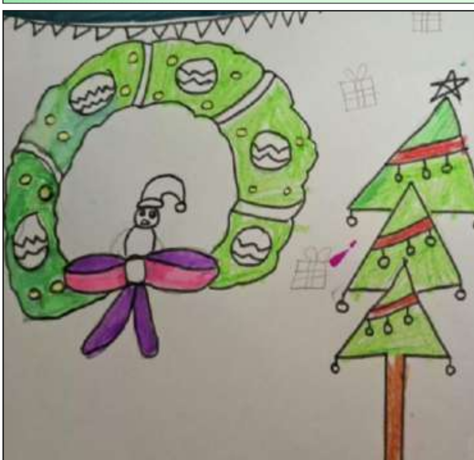

حفصہ عافیہ، درجہ پنجم، جی ڈی گوینکا پبلک اسکول، نئی دہلی

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, जुलाई 2025, वर्ष 13, अंक 07
BACHON KI DUNIYA Monthly, July 2025 Vol. 13, Issue: 07
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/06/2025
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

صفحات : 22، قیمت: 25 روپے

صفحات: 20 قیمت: 25 روپے

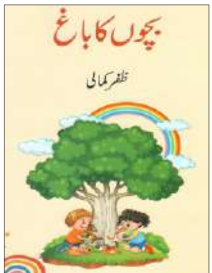

صفحات: 50، قیمت: 20 روپے

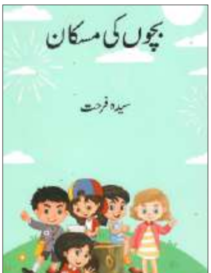

صفحات: 64، قیمت: 25 روپے

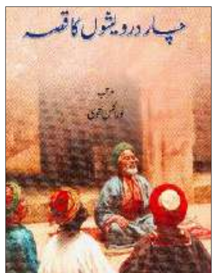

صفحات: 70، قیمت: 30 روپے

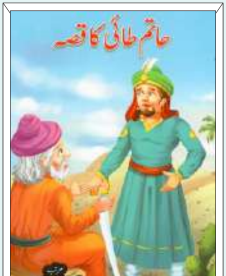

صفحات: 86، قیمت: 30 روپے

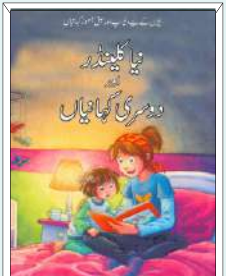

صفحات: 43، قیمت: 15 روپے

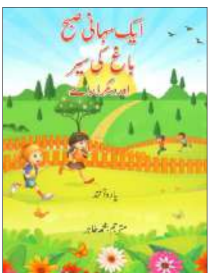

صفحات: 101، قیمت: 35 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at Makoff Printers, B - 127, Sector 65, Noida, U.P
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.